بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

۞ جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم

مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 3	دسمبر 2017ء	ربیع الاول ۱۴۳۹ھ	شمارہ: 38

ماہنامہ ندائے قاسم

Monthly **NIDA-E-QASIM**

Nafees colony, Baripath,

Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,

PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,

***RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.:* 9431011919**

فہرست مضامین

اداریہ	بابری مسجد اور اس کی اراضی!	خالد انور پورنوی المظاہری	03
خطاب	جنتیوں کا عظیم الشان اجتماع!	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	08
درسِ حدیث	درود و سلام	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	11
مقالات و مضامین	عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم	حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی	13
	اردو صحافت کی بدلتی قدریں - لمحہ فکریہ	از: مولانا محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی	17
	حدیث شریف کی تشریعی حیثیت!	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	21
	عقائد کے خلاف فتنوں کی کثرت مرض کی علامت ہے	از: مولانا شاہ عالم گورکھپوری	25
	بیت المقدس سے ہمارا رشتہ!	مولانا ندیم الواجدی	28
	دعوت دین کی ضرورت اور اس کا بہتر طریقہ!	نثار احمد حصیر قاسمی	32
	ہندوستانی مسلمانوں کی ذمہ داری	عزیر احمد جواہر لال نہرو یونیورسٹی	36
	بچوں کو اپنے قریب کیجیے!	مہجود عالم	39
	جدید تعلیم اور ہماری بے حسی!!	نثار احمد قاسمی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی	41
	2017ء میں پیش آئے اہم واقعات!	سلیم شوق پورنوی	43
	سرزمین فلسطین کی وراثت امت مسلمہ کیلئے ہے!	مفتی ابوذر قاسمی	46
	حلال کی کمائی کی برکت!	مجیب منصور	51
صحت	تلبینہ	ادارہ	53
انمول باتیں	عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں!	ادارہ	55
جمعیۃ علماء	جامع مسجد تر پیولیہ پٹنہ میں یوم دعاء کا اہتمام	رپورٹ: اظہار عالم قاسمی	56
شب و روز	میٹنگ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار	ادارہ	58

e-mail:-.nedaequasim@gmail.com
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!
کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448
e-mail:-mahjoodom@gmail.com

اداریہ

بابری مسجد اور اس کی اراضی!

خالد انور پورنوی المظاہری

بابری مسجد اور رام مندر ہندوستان کا اصل مسئلہ نہیں ہے، مگر اہلِ سیاست ایک زمانہ تک اسی کے سہارے سیاسی روٹی سیکتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ ابھی بھی باقی ہے، اور یہ چلتا رہے گا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ رام مندر کی تعمیر کیلئے تاریخ پر تاریخ کا اعلان کرتے ہیں، نہ وہ رام کے ہیں، اور نہ وہ رام مندر کی تعمیر چاہتے ہیں، وہ صرف اس کے سہارے اس ملک پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، رام مندر کے نام پر یکطرفہ ووٹ انہیں مل جائے، اسی کی کوششوں میں مصروف ہیں، ہندوستانی قوانین اور آئین کی وہ ہر دن دھجیاں اڑاتے ہیں اور اس کی پاسداری کا دم بھی بھرتے ہیں، بابری مسجد کا معاملہ عدالت میں زیرِ سماعت ہے، اور جو لوگ حاکمِ وقت بنے بیٹھے ہیں وہی خود سے فیصلہ بھی کر رہے ہیں، یقیناً یہ افسوس کا مقام ہے۔

2019 آنے والا ہے؛ اس لئے پھر سے بابری مسجد اور رام مندر کے نام پر ماحول کو گرمانے کی پوری کوشش ہو رہی ہے، فرقہ پرستوں کے ٹکروں پر پلنے والے کچھ بھکتوں کا کام ہی یہی ہے، وہ بھکتی کا پاٹھ پڑھاتے رہیں، اور رام مندر کا ایشو اچھالتے رہے ہیں، ہندوستانی عوام کو یہی سچائی سمجھنے کی ضرورت ہے؛ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ لوگ رام مندر کے نام پر بہت جلدی بہکاوے میں آجاتے ہیں جنہیں مندر میں جگہ نہیں ملتی ہے۔

بابری مسجد کا مسئلہ عدالت میں زیرِ سماعت ہے، اور وہیں سے ہم سب انصاف کے بھی منتظر بھی ہیں، ہاں مگر وہ لوگ جو اقتدار کی اونچائی پر بیٹھے ہیں، انہیں یہ فیصلہ منظور نہیں ہے، اس لئے وہ بار بار مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ عدالت سے باہر ہندوؤں اور مسلمانوں کو بابری مسجد اور رام مندر کے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہئے، ان کا یہ مطالبہ نہ صرف انتہائی مضحکہ خیز ہے؛ بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ بابری مسجد کی اراضی کے بارے میں ان کا دعویٰ انتہائی کمزور اور بلا کسی کے ثبوت وشواہد کے ہیں۔

6/دسمبر 1992ء یقیناً ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ دن ہے، جس دن ایک مقدس عبادت گاہ یعنی بابری مسجد شہید کر دی گئی، ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرازم کا گلا گھونٹ دیا گیا، اور حکومت تماشہ دیکھتی رہی، 17/سال کے لمبا وقفہ کے بعد 30/جون 2009 کو جسٹس لبراہن نے عدالت میں اپنی رپورٹ پیش کی، اور مکمل ایک سال تین مہینہ کے بعد 30/ستمبر 2010 کو الہ آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ سامنے آیا، جو

حقیقت میں فیصلہ تھا ہی نہیں، بلکہ دو بھائیوں کے بیچ میں زمین کا جو بٹوارہ ہوتا ہے اسی کی ایک شکل تھی، ایک حصہ رام مندر کیلئے، ایک حصہ نرموہی اکھاڑا کیلئے، اور ایک حصہ مسجد کیلئے۔

تین گنبدوں والی قدیم اور تاریخی مسجد 'جنہیں ہم ''بابری مسجد'' کے نام سے سے جانتے ہیں، اودھ کے حاکم وگورنر میر محمد باقی اصفہانی نے 1528ء میں تعمیر کرائی تھی، مسجد کے مقف حصہ میں تین صفیں تھیں، اور ہر صف میں ایک سو بیس نمازی کھڑے ہو سکتے تھے، صحن مسجد چار صفوں کی وسعت تھی، بیک وقت ساڑھے آٹھ سو مصلی نماز ادا کر سکتے تھے، ابتدائے تعمیر کے بعد سے ہی نماز پنج گانہ اور جمعہ کی نماز ہوا کرتی تھی، 1850ء تک مندر و مسجد اور رام جنم استھان کا نہ کوئی معاملہ اٹھا اور نہ ہی کوئی تنازعہ پیدا ہوا، مسلمان بھی اجودھیا میں رہتے تھے، اور ہندو بھی اپنی عبادتیں ادا کرتے تھے؛ لیکن جب ملک ہندوستان میں انگریز کا عمل دخل شروع ہوا تو اس نے اپنی پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت دونوں فرقوں کے مابین نفرت کی دیوار کھڑی کرنے کیلئے مندر و مسجد اور رام جنم استھان کا قضیہ چھیڑ دیا، اور ایک بدھشٹ نجومی سے زائچہ تیار کروایا، نجومی نے بابری مسجد کے باہر؛ لیکن احاطہ میں رام جنم استھان اور سیتا رسوئی گھر متعین کیا، پھر انگریز نے جذباتی قسم کے ہندوؤں کو اکسایا کہ وہ ان دو پوتر استھان کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، نقی علی خان جو گرچہ نواب واجد علی (نواب اودھ) کا وزیر تھا؛ مگر در پردہ اس کی وفاداریاں انگریز کے ساتھ تھیں، اس نے انجام سے غافل نواب واجد علی کو راضی کر لیا کہ مسجد سے باہر مگر احاطۂ مسجد کے اندر جنم استھان اور سیتا رسوئی گھر کیلئے جگہ دے دیں؛ چنانچہ صحن مسجد سے باہر بائیں، پورب طرف جنم استھان کے طور پر 21 رفٹ لمبی اور 17 رفٹ چوڑی جگہ دے دی گئی، جہاں ایک چبوترہ بنادیا گیا، اس موقع پر لوہے کی سلاخوں سے صحن مسجد کو گھیر دیا گیا، جواب تک کھلا ہوا تھا، گویا مسجد اور اس فرضی جنم استھان کے درمیان حد فاصل قائم کر کے مسجد کی حفاظت کی طرف سے اطمینان کر لیا گیا۔

اور یہ صرف ہم نہیں کہتے، وہ لوگ جو سیکولرازم پر یقین رکھتے ہیں اور عصبیت کا دبیز پردہ بھی ان کے دماغوں پر چڑھا ہوا نہیں ہے، وہ یہی بولتے ہیں کہ اجودھیا کو رام کی نگری کہنا، اسے رام جنم استھان بتانا، اور بابری مسجد کے بارے میں یہ کہنا کہ شاہ بابر نے مندر توڑ کر بابری مسجد بنائی تھی انتہائی مضحکہ خیز ہے، چنانچہ 1984ء میں ڈاکٹر آر، ایل شکلا استاذ دہلی یورنیورسیٹی نے ایک مقالہ بعنوان ''رام کی نگری اور اجودھیا جھوٹ یا سچ'' لکھا تھا، اس مقالہ میں لکھتے ہیں: ''بعض مورخین مہابھارت میں بیان کئے گئے رام کو حقیقی کردار مانتے ہیں، یہ مورخین رام کا زمانہ ڈھائی ہزار سال قبل مسیح مانتے ہیں، اور مہابھارت کا زمانہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ اگر ہم اس تحقیق کو صحیح مان لیں تو رامائن میں جن مقامات کا تعلق رام جی سے بیان کیا گیا ہے ان جگہوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی ہزار سال پہلے انسانی زندگی کے آثار ملنے چاہئیں، اسی مقصد کے پیش نظر تین مقامات کی کھدائی ہوئی، فیض آباد ضلع میں ''اجودھیا'' کی، الہٰ آباد سے 35/کیلومیٹر شمال کی سمت موضع ''شرنگوپر پور'' کی۔ الہ آباد میں واقع ''ھاردواج'' آشرم کی، اجودھیا میں کھدائی آج سے تقریباً 25/سال پہلے بھی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہاں آبادی کے نشان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 600/سال پہلے کے نہیں ملے تھے، اور اب سے تقریباً دس سال پہلے دوبارہ بڑے پیمانے پر وہاں (اجودھیا) میں کھدائی ہوئی تھی، اس کھدائی سے بھی آبادی کے متعلق وہی نتیجہ نکلا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ سے زیادہ 700/سال قبل کی آبادی کے نشان پائے گئے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ یہی موجودہ اجودھیا رام جی کی نگری تھی جو انکی جنم بھومی مانی جاتی ہے تو (سوال پیدا ہوتا ہے) کہ رام جی کے زمانہ سے اجودھیا کے زمانہ کا جوڑ کیوں نہیں قائم ہوتا؟ اجودھیا کی آبادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے 600/سال یا 700/سال پہلے کی ہے، جبکہ رام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے 2500/سال قبل یا بعض مورخین کی تحقیق کے اعتبار سے اس سے پہلے کا ہے، تو پھر اجودھیا رام کی جنم بھومی کیسے ہوسکتی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟''

1948ء میں ملک کے اندر بالخصوص یوپی، دہلی، میوات، ہریانہ، پنجاب، وغیرہ صوبوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، افراتفری کا ماحول ہوگیا، اسی اتھل پتھل میں 22۔23/دسمبر 1949ء کی درمیانی شب جب کہ پوری دنیا محوخواب تھی، ہنومان گڑھی کے مہنت ابھے رام داس اپنے چیلوں کے ساتھ دیوار پھاند کر مسجد میں گھس گئے اور عین محراب کے اندر ایک مورتی رکھدی، اس کے بعد دفعہ 145 کے تحت مسجد کو قرق کر کے اس پر سرکاری تالا لگا دیا گیا، پھر 16/جنوری 1950ء سے مقدمات کا سلسلہ شروع ہوا۔ یکم فروری 1986ء کو بابری مسجد پر لگے تالے کو کھولے جانے کا فیصلہ فیض آباد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سنادیا، اور پوجا پاٹ کیلئے مسجد ہندؤں کے حوالہ کردی گئی، 1989ء کے پارلیمانی انتخاب کے بعد بابری مسجد کا مسئلہ نیا رخ اختیار کرلیا گیا۔ وی۔ پی سنگھ بھارتیہ جنتا پارٹی B J P کے تعاون سے وزیر اعظم بنے تھے، اس لئے وشو ہندو پریشد نے وی، پی سنگھ سرکار کو مندر کی تعمیر کیلئے دباؤ ڈالنا شروع کردیا، 2/دسمبر 1990ء کو اڈوانی نے اعلان کیا کہ اپنی رتھ یاترا کے ذریعہ آٹھ ریاستوں سے گذر کر اجودھیا میں 30/اکتوبر 1990ء کو مندر کی تعمیر کیلئے کارسیوا کریں گے، رتھ یاترا شروع ہوتے ہی گجرات، راجستھان، اور یوپی کے کئی

علاقوں میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 23/ اکتوبر 1990ء کو بہار میں سمستی پور کے علاقہ میں لالو پرشاد کی سرکار نے لال کرشن اڈوانی کو گرفتار کرلیا، 1990ء میں اتر پردیش میں، اتر پردیش بابری مسجد ایکشن کمیٹی نے ملائم سنگھ کی مدد کی، عبداللہ بخاری نے وی، پی سنگھ کیلئے اپیل کی، مسلمانوں کے ووٹ بکھر گئے، اور اتر پردیش میں بے جے پی کی سرکار بن گئی، اور گدی پہ بیٹھے کلیان سنگھ، حلف لینے کے دوسرے دن بعد ہی اپنی کابینہ کے ساتھ اجودھیا تشریف لے گئے، اس پر کافی نکتہ چینی بھی ہوئی، اپوزیشن نے اس اقدام کو عدالت کی توہین اور آئین کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا، تو کلیان سنگھ کا جواب تھا ''مندر تعمیر کرنے کے عہد کو دہرانے ہم اجودھیا گئے تھے، یہ کوئی غیر قانونی کام نہیں تھا یہ تو عقیدے اور جذبے کی بات تھی'' اور جب مندر بنانے سے متعلق 1991ء میں ان سے انٹر یولیا گیا کہ کیا آپ عدالت کا فیصلہ تسلیم کریں گے؟ تو بڑی بے باکی سے انہوں نے جواب دیا ''یہ معاملہ عدالت کے دائرہ کار سے باہر ہے'' بالآخر 6 دسمبر 1992ء 11 بجکر 45/ منٹ پر بابری مسجد پر حملہ شروع ہوا، وشو ہندو پریشد کے پٹھو، کلیان سنگھ کے چہیتے، مرکزی حکومت کے اشارے پہ ناچنے والی پولیس نے میدان چھوڑ دیا، اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب لکھا گیا، سیکولرزم کا دعوی کر نے والی پارٹیوں کا چہرہ بے نقاب ہوگیا، اور 5/ گھنٹے میں عظیم تاریخی بابری مسجد 464/ سال کے بعد شہید کردی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ رات بھر کارسیوکوں نے ملبہ صاف کیا، عارضی مندر تعمیر کی، پوجا بھی شروع کردی گئی، 40/ گھنٹہ کا انہیں موقع دیا گیا، تب جا کر سنٹرل فورس کو داخلہ کی اجازت ملی۔

ہندوستان ہمارا ملک ہے اور اس کے قانون وآئین پر ہمارا مکمل اعتماد ہے، اور جب جب بھی اس طرح کے موڑ آئے ہیں مسلمانوں نے جذبات سے نہیں؛ بلکہ صبر وتحمل سے کام لیا ہے، یہی ہماری پہچان ہے اور یہی مذہب اسلام اور اس کی تعلیمات نے ہمیں سکھایا ہے، کہ وہ جس ملک میں رہتے ہیں اس سے محبت اور اس کے آئین پر بھروسہ کرنا ہی انہیں سکھایا گیا ہے۔ ہاں مگر انہیں عدالت سے شکایت تو ضرور ہے کہ جب بابری مسجد؛ ایک متنازع زمین تھی، ہندو مسلم دونوں ہی اس کے فریق تھے، مگر عدالت کے فیصلہ سے قبل کسی ایک فریق نے اس پر قبضہ کیسے جمالیا اور کس کے اشارہ پر بابری مسجد کو شہید کیا؟، شہید کرنے والوں کو سزا کیوں نہیں ملی؟ سب سے پہلے فیصلہ تو اسی پر آنا چاہئے، اور یہاں فیصلہ ہو رہا ہے کہ وہ زمین مسجد کی ہے یا مندر کی، یہ تو بعد کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے بابری مسجد گرانے میں اہم رول ادا کیا تھا، وہ آج ہندوستان کے اعلیٰ مناسب پر فائز ہیں، اور دن بہ دن ان کی ترقی ہو رہی ہے۔

یہ بات یقیناً سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ 25 سال سے زائد کا عرصہ گذر گیا؛ مگر عدالت نہ تو مجرموں اور آئین کی دھجیاں اڑانے والوں کو پکڑ پائی ہے، اور نہ یہ فیصلہ کر پائی ہے کہ وہ زمین کس کی ہے؟ مسجد کی یا مندر کی، اور مالکانہ حق کس کا ہے؟ حالانکہ جو لوگ بھی مندر یا مسجد کی وکالت کرتے ہیں، انہیں تو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ دونوں کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ جس جگہ بھی مسجد یا مندر بنائی جائے وہ صاف وشفاف ہو، کسی کی زمین کو چھین کر، ناجائز وقبضہ کرکے نہ تو مسجد بنانا جائز ہے اور نہ مندر بنانے کی اجازت ہے، یہی دنیا کا قانون ہے اور یہی آسمانی قانون بھی کہتا ہے، اگر وہ زمین واقعۃً مسجد کی ہے تو مندر بنانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ مندر کی وکالت کرنے والوں کو اس کی وکالت کرنی چاہئے، ہاں اگر مسجد کی نہیں ہے تو کسی کے لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ مسجد کی وکالت کریں؛ لیکن اگر وہ زمین مسجد کی ہے، جیسا کہ ثبوت وشواہد یہ بتلاتے ہیں تو پھر تو اس کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں، دنیا کے کسی بھی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مسجد کی زمین کسی کے حوالہ کردیں یا اس کے بدل میں دوسری زمین وصول کرلیں، جس روئے زمین پر ایک بار مسجد بن گئی، وہ ہمیشہ کے مسجد ہوگئی، اور قیامت تک وہ زمین مسجد ہی کی کہلائے گی، یہی وجہ تو ہے کہ ہندوستان کے مسلمان عدالتی فیصلہ کے تو منتظر ہیں، لیکن خود سے کوئی فیصلہ کرلیں؛ اس کیلئے راضی نہیں ہیں، چونکہ نہ تو وہ اس زمین کے مالک ہیں اور اس نہ زمین کی تقسیم یا تبدیل کے مجاز ہیں۔

حکومت کی طرف سے سوا سو کروڑ لوگوں کے مسائل کو نظر انداز کیا جارہا ہے، اہم مسائل اور بنیادی ضرورتوں سے بھٹکانے کیلئے مسجد اور مندر کے مسائل کو اٹھایا جاتا ہے، ہندو ہو یا مسلمان وہ اس بات کو سمجھیں اور سرکار کی غلط پالیسی کے نفاذ کیلئے کسی بھی طرح معاون نہ بنیں، یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے اور اس ملک کے حق میں بہتر اور مفید بھی، ہاں جو لوگ بھکت ہیں وہ مسلمانوں کو اکسا کر اور طرح طرح کے مسائل کو چھیڑ کر ہمیں الجھانا چاہتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ ہندوستان کے مسلمان ان کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے!

حالات یقیناً بہت زیادہ اچھے نہیں ہیں، اور یہ ہمارے اعمال کے کرتوت بھی تو ہوسکتے ہیں، ایک مسلمان کی ایسے موڑ پر ذمہ داری ہے ہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، توبہ واستغفار کریں، سڑکوں، چوراہوں پر شور غل کرنے اور بابری مسجد کی شہادت پر صرف ماتم کرنے کے بجائے مسجدوں سے اپنا رشتہ مضبوط کریں، غیر آباد مساجد کو نمازیوں سے آباد کریں، جو لوگ مسجدوں سے دور ہیں انہیں مسجدوں تک لانے کی کوشش کریں، اور مکمل طور پر اسلام پر عمل کرنے والے بن جائیں! شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات!

جنتیوں کا عظیم الشان اجتماع!

خطاب: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار، بموقع عید الفطر بمقام گاندھی میدان (۱۷؍مئی ۱۹۸۷ء)

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (البقرۃ/۲۵۵) اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اس شان سے کہ ایک آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا، اس آئینہ کے وسط میں ایک سیاہ نقطہ تھا، آپ ﷺ نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے؟ اور یہ آئینہ کیسا ہے؟ آپ فرمایا: کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے، جس کے معنی زیادتی کے آتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مزید کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ جنت میں ایک میدان ہے اور جنت کے بالائی حصہ میں ہے یعنی اوپر نیچے سو جنتیں ہیں اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے، سب سے اوپر کا حصہ جو عرش کے نیچے ہے، اس میں ایک میدان ہے، جو بالکل سفید ہے، اس کی گھاس بھی سفید، درخت بھی سفید، غرض ہر چیز سفید اور شفاف ہے اور عرض کیا: کہ یہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزارہا برس مجھے گھومتے ہوگئے ہیں، اب تک پوری طرح اس کی حقیقت کو نہیں پاسکا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس میدان کی غرض وغایت کیا ہوگی؟ عرض کیا کہ یہ دربارِ خداوندی منعقد ہونے کا موقع ہوگا، انبیاء کرام علیہم السلام کے منبر اس میدان میں بچھائے جائیں گے، گول دائرے کی شکل میں نور کے منبر ہوں گے اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے امت کی کرسیاں ہونگی اور وہ پورا میدان ان بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے بھر جائیگا، دنیا میں جس کو جتنا تعلق نبی سے تھا اتنا ہی وہ منبر کے قریب ہوگا، کرسیاں اس شان سے ہونگی کہ ایک کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہیں ہوگا، جیسے آپ نے دیکھا ہوگا بڑی بڑی مجالس میں کرسیاں اس ترتیب سے بچھائی جاتی ہیں کہ اگلی صف ذرا نیچی، پچھلی اونچی، تاکہ ہر شخص بے تکلف سامنے کی اسٹیج کو دیکھ سکے۔ میدان کے کناروں پر کرسیاں نہیں ہونگی بلکہ کچھ غالیچے، کچھ فانوس ہونگے، اس طرح سے یہ میدان بھر جائیگا۔ اب گویا دریا وسمندر ہوگا کہ ہر طرف انبیاء علیہم السلام کے منبر ہیں، ان کی پشت پر کرسیاں ہیں اور بیچ میں حق تعالی کی کرسی آئیگی، جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے:

وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ (البقرۃ/۲۵۵) اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔

اس کی کرسی اتنی بڑی ہے کہ جس کی وسعت کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں۔ اللہ جل شانہ نشست و برخاست اور زمین ومکان سے بالاتر ہیں، اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے، اس کی کیفیت وحقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایاتِ حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں، جو تمام آسمان اور زمین سے بدرجہا بڑے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے بروایت حضرت ابوذر غفاریؓ نقل کیا ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقۂ انگشتری ڈال دیا جائے۔ اور بعض دوسری روایت میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگشتری کا حلقہ۔ (معارف القرآن)

تمام اہل جنت اس دربار میں شرکت کیلئے اپنی اپنی سواریوں پر پہنچیں گے، ان کی سواریوں کی یہ شان ہے کہ بعض تخت ہوا سواری ہونگے، اڑتے ہوئے تخت ہونگے اور مختلف قسم کی سواریاں ہونگی، جن کے ذریعہ اہل جنت پہنچیں گے، اور ایسا وقت آئیگا کہ کل دربار منعقد ہوگا، تمام اہل جنت جمع ہونگے اور انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے منبروں پر ہونگے، بیچ میں حق تعالیٰ کی کرسی ہوگی، جب سارا دربار جم جائیگا تو اب بندے محسوس کریں گے کہ اب تجلیات حق کا ظہور رہا ہے گویا کرسی پر حق تعالیٰ کی تجلی مستوی ہوگی۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ داؤد علیہ السلام کو آواز کا معجزہ دیا گیا تھا، اتنی پاکیزہ آواز تھی کہ جب وہ مناجات پڑھتے تو چرند وپرند ان کے اردگرد جمع ہوجاتے اور محو ہوجاتے، انسان تو کیا خود جانوروں پر بھی ایک غنودگی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا جائیگا: کہ ان تمام درباریوں کو اپنے مضمون سے مستفیض کریں، حضرت داؤد علیہ السلام اس اعجازی خوش آوازی سے مناجات ومضامین پڑھیں گے کہ اہل جنت پر کیفیت طاری ہوجائیگی، جس طرح شراب طہور کا وعدہ فرمایا گیا، ملائکہ علیہم السلام سے فرمایا جائیگا کہ تقسیم کرو اس سے عقلوں میں تیزی اور معرفت وبصیرت پیدا ہوگی۔

اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جو جس کا دل چاہے مانگے، طلب کرے۔ سب کو خطاب عام فرمایا جائیگا تو سب مل کر عرض کریں گے کہ کونسی نعمت ہے جو آپ نے عطا نہیں فرمائی، ہمیں ساری نعمتیں مل چکی ہیں، بس ہماری درخواست یہ ہے کہ اپنی رضا ہمیں عطاء فرما دیجئے! حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ نعمت مل چکی ہے، اگر میں راضی نہ ہوتا تو تمہیں اس مقام پر گھسنے نہ دیتا، میں راضی ہوں اور ایسا راضی ہوں کہ ابدالآباد تک کبھی ناراض نہیں ہونگا، یہ مقام تمہیں مل چکا، کچھ اور مانگو، سب حیران ہوکر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں گے کہ کیا چیز مانگیں، کون سی نعمت ہے جو ہمیں نہیں ملی، اس وقت سب ملکر علماء کی طرف رجوع کریں گے، ان سے استفسار کریں گے کہ کیا چیز رہ گئی ہے جو ہم مانگیں، ہمارے علم کے اعتبار سے تو ہر نعمت مل چکی ہے، لوگ دنیا میں علماء سے مستغنی ہو جانا چاہتے ہیں؛ حالانکہ حاجت مندی وہاں بھی قائم رہے گی تو علماء مل کر ایک مشورہ دیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنا جمال مبارک دکھادے، دیدار خداوندی ابھی تک باقی ہے، یہ نعمت نہیں ملی ہے۔ جیسا کہ قران مجید میں وعدہ فرمایا گیا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامة : ۲۲)

بہت سے چہرے تروتازہ اور شاداب ہونگے جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آخرت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا، اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، حق تعالیٰ کی رویت وزیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی، نہ کسی جہت وسمت سے اس کا تعلق ہوگا، نہ کسی خاص شکل وصورت اور ہیئت سے، بعض روایاتِ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے مختلف درجات ہونگے، بعض کو یہ زیارت ہفتہ وار جمعہ کو حاصل ہوگی اور بعض کو روزانہ صبح وشام، اور بعض کے لئے ہر وقت ہر حال میں ہوگی۔ (تفسیر مظہری، بحوالہ معارف القرآن)

علماء کے مشورہ پر سب مل کر یک زباں ہوکر عرض کریں گے کہ ہمیں یہ نعمت عطاء فرما دیجئے، اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے، درخواستیں قبول کر لی جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ حجابات اٹھنے شروع ہو جائیں گے اور بندے اپنے خدا کو دیکھیں گے اس شان سے کہ نہ سمت ہے، نہ جہت، نہ رنگ ہے اور پھر مشاہدہ ہو رہا ہے اور دیکھ رہے ہیں۔ جب دربار ختم ہوگا تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے جاؤ اپنے اپنے مقامات پر، اہل جنت واپس ہونگے جنت میں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں گے۔ ○❖○

درس حدیث

درود وسلام

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ عَشْرًا. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔

صلوٰۃ وسلام دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور شرف درجہ کی ایک دعاء ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کے اظہار کیلئے آپ کے حق میں کی جاتی ہے، اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے، اور بڑے پیارے اور مؤثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا '' (الاحزاب) یعنی نبی ﷺ پر (جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے) خداوند قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول ودستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب ومبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں، اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار ودعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں، درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت، رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت وعنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

ذرا غور کریں! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کیلئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کیلئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کیلئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر ومحبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملے گا اور آپ کے سامنے آئیگا تو آپ کس طرح اس سے

ملیں گے۔اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان واخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درودوسلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظرعنایت ہوگی،اور قیامت وآخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا۔اور رسول اللہ ﷺ کواللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جومقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندہ سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اوراس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درودوسلام اگر چہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے؛لیکن جس طرح کسی دوسرے کیلئے دعا کرنے کا اصلی مقصد اس کونفع پہونچانا ہوتا ہے،اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درودوسلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات پاک کونفع پہونچانا نہیں ہوتا،ہماری دعاؤں کی آپ کوقطعاً کوئی احتیاج نہیں۔بادشاہوں کوفقیروں،مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت! بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد وتسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں،اوراس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہونچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے،اوراس کا نفع ہم ہی کو پہونچتا ہے،اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے محاسن وکمالات،آپ ﷺ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ کے حضور میں عقیدت ومحبت اور وفاداری ونیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں،اس کا مقصد آپ کو کوئی نفع پہونچانا نہیں ہوتا،بلکہ اپنے ہی نفع کیلئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضاوثواب آخرت اوراس کے رسول پاک کا روحانی قرب اوران کی خاص نظرعنایت حاصل کرنے کیلئے درودوسلام پڑھا جاتا ہے،اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے،اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے،اوراس کی دس خطائیں معاف کردی جاتی ہیں،اوراس کے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔

ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ انسان ذلیل وخوار ہو جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہ بھیجے،دوسری جگہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا: اصلی بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔یقیناً کوئی بھی مجلس ایسی نہ ہونی چاہئے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر درود نہ بھیجی گئی ہو،اللہ میں عمل کی توفیق دے۔آمین

مقالات ومضامین

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی، ایم پی

یوں تو روئے زمین پر بے شمار امتیں اور ملتیں ہیں، لیکن ان میں جو مقام ومرتبہ امت محمدیہ کو حاصل ہے، وہ کسی اور کو نہیں۔ امت محمدیہ کے مقام ومنصب کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت سے کیا جا سکتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍاُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ''اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے صاف کہہ دیا گیا ہے کہ تم بہترین امت ہو۔ خیر امت سے مراد مسلمان ہیں، لیکن جو مسلمان جس قدر اسلام کا پابند ہوگا اور اپنے فرائض منصبی کی تکمیل کرنے والا ہوگا، اس کا مقام اسی اعتبار سے بلند ہوگا۔ جیسا کہ فضیلت کا معیار بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ''بلاشبہ تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو متقی ہو۔''

اگر مسلمانوں میں کسی ایسے طبقے کی تلاش کی جائے جو مقام ومنصب کے اعتبار سے زیادہ بلند مقام رکھتا ہو، تو ان میں اول مقام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ صحابہ وہ ہیں جن کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد فرمانے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام بہت نمایاں ہے۔ ''مااَنا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' والی حدیث سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اس حدیث سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام ومنصب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ فرمایا: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ''میرے زمانے کے لوگ سب سے بہتر ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے زمانے سے ملے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے زمانے سے متصل ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو سب سے بہتر قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور کے لوگوں سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین ہیں اور تابعین کے بعد تبع تابعین ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کون لوگ ہیں؟ اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''**الصحابی من لقی النبی ﷺ مومنا به ومات علی الاسلام**''، جس نے ایمان کی حالت میں نبی ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی اس کی موت آئی ہو۔ اس تعریف کی رو سے ہر وہ مومن صحابی ہوگا جس نے ایمان کی

حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو یا ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

صحابہ کرام ؓ کی فضیلت وعظمت کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں اور قرآن کی آیات بھی۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر 100 رمیں صحابہ ؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ، رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه، واعدلهم جنات تجری من تحتها الانهار، خالدين فيهاابدا، ذالک الفوز العظيم.

اور مہاجرین وانصار میں سے وہ اولین لوگ (جو ہجرت اور ایمان میں) دوسرے پر سبقت لے گئے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے ان اولین لوگوں کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کیلئے ایسی جنت تیار کی ہے کہ جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اگر غور وفکر کیا جائے تو صحابہ ؓ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ ؓ کو رسول خدا ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی۔ انہوں نے براہِ راست آپ ﷺ سے فیضان حاصل کیا۔ ساتھ ہی صحابہ ؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ جب بھی آپ ﷺ کچھ ارشاد فرماتے، صحابہ بصد شوق واشتیاق اس کی تکمیل میں لگ جاتے، مال، جان سب کچھ آپ ﷺ کے اشارے پر قربان کرنے کیلئے تیار رہتے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی آواز بلند کی تو مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے، وہ آپ ﷺ پر ظلم ڈھانے لگے، ایسے ہی ان لوگوں پر بھی جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے مگر وہ کسی بھی صورت میں اسلام کو نہ چھوڑتے۔ جب آپ ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ ساتھ تھے، حالانکہ یہ وقت بڑا صبر آزما تھا۔ دشمن پیغمبر اسلام ﷺ کو العیاذ باللہ قتل کرنے کے درپے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، اور پھر صبح ہوتے ہی آپ ﷺ کو ڈھونڈنے کیلئے وہ نکل پڑے تھے۔ یعنی دشمنانِ اسلام کی پوری ایک جماعت آپ ﷺ کا پیچھا کر رہی تھی۔ ایسے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنی جان کی بازی لگا کر آپ ﷺ کے ساتھ تھے، انہیں اپنی جان اتنی عزیز نہ تھی جتنی کہ رسول اللہ ﷺ کی۔ غار میں بھی انہوں نے سانپ کے کاٹنے کی کوئی پرواہ نہ کی، اپنی جان پر کھیلنا گوارہ کیا، مگر آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچے، اس بات کو پسند نہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے ہجرت کیلئے نکلے تھے تو امانتیں تقسیم کرنے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو چھوڑ آئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ آپ ﷺ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے اس بات سے بے پرواہ ہو کر

کہ دشمن اس حالت میں ان پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔

غزوۂ بدر میں صحابہ ؓ کی مختصر سی جماعت دشمنانِ اسلام سے لڑنے کیلئے صف آرا تھی۔ سامنے ان سے تین گنا زیادہ مسلّح کافر تھے، ان میں کئی بڑے بہادر اور سالار تھے، اُدھر یہ بے سروسامانی کے عالم میں مقابلے کیلئے تیار تھے۔ یہاں بھی وہ اپنی جانوں کو قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس غزوہ میں موجود تھے۔ غزوۂ احد میں ذرا سی غفلت کی وجہ سے کفار ومشرکین نے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے تھے۔ آپ ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی، صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنالیا تھا، اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھوں میں گھستے چلے جاتے تھے، وہ تیروں کی تکالیف کو برداشت کر رہے تھے، مگر اپنی جگہ نہیں چھوڑ رہے تھے، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی تیر آپ ﷺ کے جسم اطہر کو لگے۔ کیسی کیسی قربانیاں تھیں صحابہ کرام ؓ کی۔ بہت سے غزوات میں صحابہ ؓ نے دشمنوں کا مقابلہ کیا، کم ہونے کے باوجود، بے سروسامانی کے عالم میں ہونے کے باوجود۔ گویا کہ ایک ایک اشارے پر صحابہ ؓ اپنی جانوں کو نچھاور کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ صرف جان ہی نہیں بلکہ مال کی قربانی کیلئے بھی وہ ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ انھیں بھوکا پیاسا رہنا پسند تھا، مگر اتباع رسول ﷺ کو چھوڑنا گوارہ نہ تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل بیان کیے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنے گھر کا سارا اثاثہ لے آئے، گھر میں کچھ بھی نہ چھوڑا، حضرت عمر ؓ اپنے گھر کا آدھا سامان لے آئے اور دوسرے صحابہ ؓ بھی حتی الوسع اپنے گھروں سے چیزیں لے آئے۔ صحابہ کرام ؓ نے ہر سطح پر اسلام کیلئے قربانیاں پیش کیں۔ ایسی قربانیاں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ دراصل وہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، ان کے سامنے آپ ﷺ کی حیات طیبہ تھی۔

صحابہ کرام ؓ کی اسلام کے تئیں مخلصانہ قربانیوں کے سبب ہی وہ امت محمدیہ میں سب سے اہم قرار پائے اور ان کی اہمیت وعظمت کو قرآن نے بھی بیان کیا اور حدیث نے بھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النجوم امنة للسماء فاذا ذهبت النجوم اتى السماء بما توعد، وانا امنة لاصحابى، فاذا ذهبت اتى اصحابى مايوعدون، واصحابى امنة لامتى، فاذاذهب اصحابى اتى امتى مايوعدون. (مسلم شریف: ۲۵۳۱)

یعنی ستارے آسمان کیلئے امان ہیں، جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان بھی نہیں رہے گا، جیسا کہ اس سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میں اپنے صحابہ کیلئے امان ہوں، اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ وقت آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ میری امت کیلئے امان ہیں جب میرے صحابہ ختم ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آئے گا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ عظیم مقام کے حامل ہیں۔اس لیے آنے والی نسلوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کا احترام وقدر کریں۔ان کی زندگیوں کو اپنے لیے نمونہ خیال کریں،ان کے اقوال اور اعمال کو سامنے رکھیں۔لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ متعدد لوگ اور گروہ مسلمانوں میں ایسے ہیں جو صحابہ کرام ؓ کا ایسا احترام نہیں کرتے ،جیسا کہ ان کا حق ہے،بعض لوگ تو صحابہ کو برا بھلا تک کہہ ڈالتے ہیں، بعض لوگ کچھ خاص صحابہ کو برا کہتے ہیں،جب کہ صحابہ ؓ کو برا کہنا ہرگز درست نہیں، یہاں تک کہ انھیں اہم نہ سمجھنا بھی درست نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ صحابہ ؓ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے،انھیں عزیز جانتے تھے،تو دوسرے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ انھیں برا کہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو برا کہنے سے منع کیا ہے۔حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ، لو ان احدکم انفق مثل احدذھبا، مابلغ مد احدھم و لانصیفہ. (بخاری ومسلم)

میرے صحابہ کو گالیاں مت دینا،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر ڈالے،وہ ان کے ایک مد کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ آدھے مد کے برابر۔

اس حدیث سے صحابہ ؓ کی فضیلت وعظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔اسی لیے علما بیان کرتے ہیں کہ لوگ صحابہ ؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کی صحابہ کے تئیں محبت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو صحابہ ؓ سے محبت کرنے کی ترغیب دی ہے اور ان سے بغض رکھنے والے کو منافق کہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

لایحبھم الا مومن و لایبغضھم الامنافق، من احبھم احبہ اللہ، و من ابغضھم ابغضہ اللہ. (بخاری ومسلم)

ان سے محبت صرف مومن ہی کرسکتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے،اور جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا،اور جو ان سے بغض رکھے گا،اللہ اس سے بغض رکھے گا۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو گالیاں دینے والوں پر لعنت بھیجی ہے:

من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین.

جس شخص نے میرے صحابہ ؓ کو گالیاں دیں، اس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صحابہ کرام ؓ کو قدر واحترام کی نگاہوں سے دیکھیں،ان کی زندگیوں کو اپنے لیے نمونہ خیال کریں اور اس بات کی ترغیب لیں کہ وہ کس طرح زندگی گزارتے تھے،اسلام پر کتنا عمل کرتے تھے اور کیسی کیسی قربانیاں دینے کیلئے تیار رہتے تھے۔ ○❖○

اردو صحافت کی بدلتی قدریں-لمحہ فکریہ

از: مولانا محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی، استاذ دارالعلوم حیدرآباد

ملک بھر سے بڑی تعداد میں اردو اخبارات نکلتے ہیں، کتنے ہی روز نامے، کتنے ہی سہ روزہ اخبار، کتنے ہی ہفت روزہ؛ لیکن کتنے اخبارات ایسے ہیں جو عریانیت سے محفوظ ہیں؟ ایسے ہی اخبارات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوگا کہ چند ہی گنتی کہ اخبارات ہیں جو اس لعنت سے محفوظ ہیں، ورنہ اکثر اخبارات عریانیت کی لپیٹ میں آچکے ہیں، اور اپنے اخبارات پر عریاں تصاویر کی اشاعت میں انھیں کوئی جھجک نہیں، فحش مناظر کے پیش کرنے میں انھیں کوئی عار نہیں، فحش خبروں کی اشاعت میں انھیں کوئی مانع ورکاوٹ نہیں۔

صحافت درحقیقت حق کو ثابت کرنے باطل کو ختم کرنے کا موثر ہتھیار رہے، اس کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی بڑی حد تک ادا کیا جاسکتا ہے، اپنی بات عوام تک پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اپنے افکار وخیالات سے عوام کو آگاہ کرنے کا بہترین آلہ ہے، باطل کے خلاف منظّم محنت کا وسیع عملی میدان ہے، الکٹرانک میڈیا سے پھیلنے والے زہر کے خاتمہ کا بہترین ذریعہ ہے؛ لیکن ادھر کچھ دنوں سے اردو صحافت سوقیانہ پن کا شکار ہوتی جارہی ہے، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کئی اخبارات تو وہ ہیں جو مذہبیت کے دعویدار ہیں اور قوم میں عقل وشعور پیدا کرنے اور دین سے قریب کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں؛ لیکن وہ بھی مال ودولت کی حرص میں اس زہر آلود عریانیت سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اہلِ اسلام کا ایک طبقہ وہ ہے جو ''ٹی وی'' کے زہر آلود اثرات سے دور ہے؛ جن کے خبریں جاننے کا ذریعہ عموماً اخبار ہی ہے، یہ افراد الکٹرانک میڈیا کے زہر اور عریانیت کے سیلاب سے محفوظ رہنے کی جدوجہد کرہے ہیں؛ لیکن افسوس جب وہ خبروں کو جاننے کیلئے احوال کے علم کیلئے اخبارات ہاتھ میں لیتے ہیں تو یہ اردو اخبار بھی نیم برہنہ اور عریاں تصاویر شائع کر کے ان کا دل چھلنی کر جاتے ہیں اور انھیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا ہم اب اردو اخبار بھی خریدنا بند کردیں؟ اخبارات کا مطالعہ عموماً سنجیدہ قسم کے افراد ہی کرتے ہیں جو اس طرح کی تصاویر ہرگز پسند نہیں کرتے، گندہ معاشرہ تو گندہ ہی ہے؛ لیکن یہ بے حیائی کے نظارے پاکباز افراد کو بھی گندگی پر آمادہ کرتے ہیں، عریاں تصاویر کی اشاعت صرف اشتہارات تک ہی محدود نہیں؛

بلکہ بعض دفعہ ماڈل گرلس اور بعض دفعہ اداکاروں کی عریاں تصاویر بھی شاملِ اشاعت کی جاتی ہیں، یہ در حقیقت ذمہ داروں کے ذوق کی عکاسی کرتی ہے، نہ تو ان تصاویر کی اشاعت سے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ان تصاویر کی پیشکش سے بازاروں میں اخبار کی اہمیت بڑھتی ہے؛ بلکہ بلا وجہ اس کے ذریعہ اپنے اخبار کو گندہ کیا گیا، نہ ہی عریاں تصاویر کی اشاعت توسیع اخبار کیلئے ضروری ہے اور نہ ہی عریاں اشتہارات کی اشاعت بقاءِ اخبار کیلئے ناگزیر، اس کے باوجود اس کا سہارا لیا جاتا ہے تو یہ سوچنا پڑے گا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ جس طرح اشتہارات سے حاصل شدہ رقوم کے مالکین اخبار محتاج ہوتے ہیں، ویسے ہی مشتہرین بھی ان اخبارات ہی کے محتاج ہوتے ہیں پھر بھی جو طرزِ عمل اپنایا جاتا ہے سمجھ سے بالاتر ہے، جب کوئی اخبار مکمل دینی روح سے آراستہ نہیں ہوسکتا تو اسے مکمل طور پر دینی جذبہ سے خالی بھی نہیں ہونا چاہیے، اگر کوئی روزنامہ 10ر کی تعداد میں فروخت ہوتا ہے تو اوسطاً ہر اخبار کے پڑھنے والے پانچ شمار کیے جائیں تو اس بے حیائی کا شکار کتنے آدمی ہونگے، اگر کوئی روزنامہ 50ر ہزار کی تعداد میں فروخت ہوتا ہے، اس سے بے حیائی کا شکار کتنے افراد ہوں گے؟ جتنے افراد شکار ہوں گے، جتنے افراد ان عریاں تصاویر کا مشاہدہ کریں گے ان کا وبال ذمہ داروں کے سر ہوگا؛ کیونکہ انھوں نے گناہ کیلئے دعوتِ نظارہ دیا ہے۔

اپنے قارئین کی تعداد اپنے اخبار کی تعداد بڑے ذوق وشوق سے ظاہر کی جاتی ہے، فخر یہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے، کبھی اپنے اخبار کی بے حیائی سے متأثرین کی فہرست بھی دی جائے، کبھی اس بے حیائی کے شکار افراد کو بھی شمار کروایا جائے، بعض اردو اخبارات کے ذمہ داروں کی حس تو اتنی مردہ ہوچکی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں بھی عریاں تصاویر اور فحش اشتہارات سے نہیں چوکتے نیز بے حیائی کے فروغ کیلئے جس راہ اور جس زبان اور جس طریقہ کار کا انتخاب کیا گیا وہ انتہائی غلط ہے، اردو جیسی شریف اور مہذب زبان کو انہوں نے عریاں صحافت کے ذریعہ داغدار کرنے کی سازش رچی ہے، عریاں لٹریچر کی اشاعت کیلئے اور بھی زبانیں اور بھی طریقہ کار تھے؛ لیکن جس مہذب زبان کا انھوں نے سہارا لیا یہ خود جرم عظیم ہے، ایک طرف اردو کے فروغ کے دعوے دار ہیں، دوسری جانب اردو کیساتھ یہ گھناونا مذاق؟ بالکل یہی حال؛ بلکہ اس سے بڑھ کر جرم عظیم عربی زبان کیساتھ ہورہا ہے، فواحش کی اشاعت کیلئے عربی زبان کا سہارا لیا جارہا ہے، جو قرآن کریم کی زبان ہے جو اہلِ جنت کی زبان ہے جو وسیع ترین عالمی زبان ہے، ایک طرف مدیرانِ اخبار ادارتی صفحات میں

مذہبی مضامین کو ضرور جگہ دیتے ہیں جو مغربی تہذیب کے خلاف ہو اور دیگر مواقع پر فلمی تہذیبی جھلک کہہ کر مغربیت پیش کرتے ہیں تو اس طرح کی دوغلی پالیسی سے کیا فائدہ؟

ایک جانب اخبارات اخلاقی اقدار کی پامالی کے مرتکب ہیں تو دوسری جانب بہت سے رسائل بھی اپنے رسائل سے اخلاقیات کا جنازہ نکال رہے ہیں، کئی رسائل جو مذہبیت کے حامی ہیں، قوم کی تعمیر کے دعویدار ہیں، ملت کی اخلاقی زبوں حالی پر ماتم کناں ہیں؛ لیکن کیا قوم کی تعمیر فحش مناظر اور فحاشی وعریانیت سے لبریز خبروں سے کرنا جائز ہے؟ کئی رسائل اب بھی فلمی تہذیب وتمدن کی جھلکیں پیش کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے، الغرض! اردو جیسی مہذب زبان کا استعمال فحش خبروں کی ترسیل اور فحاشی وعریانیت کے لیے کسی بھی درجہ میں درست نہیں، اولاً تو فحاشی کا فروغ ہی قابل مواخذہ ہے تو اس فحاشی سے اردو کو داغدار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اللہ تعالی سورہ نور میں فرماتے ہیں: بلا شبہ اہلِ ایمان میں سے جو لوگ فحش چیزوں کی اشاعت کو پسند کرتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (النور:۱۹) آیت کریمہ میں فحش خبروں کی اشاعت کو موردِ طعن وموردِ ملامت قرار دیا گیا، فحش خبروں اور فحش گفتگوں سے برائی کچھ پھیلتی ہے، برائی کا شیوع ہوتا ہے، فحش تصاویر کی اشاعت تو عوام کو برائی پر آمادہ کرتی ہے، ہیجان انگیز عریاں تصاویر گناہوں پر برانگیختہ کرتی ہیں، فحش تصاویر کی اشاعت کا جرم خبروں کی اشاعت سے بڑھا ہوا ہے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ کی تفسیر میں وھبہ زحیلی فرماتے ہیں: ''یہ بہترین نظام ہے جس سے کئی فوائد ہیں عوام میں فحش چیزوں کی اشاعت عوام کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے اور گناہ میں پڑنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محض فحش چیزوں کی اشاعت کی محبت عذاب کے لاحق ہونے کیلئے کافی ہے، اور جو عملی طور پر اس میں شریک ہوں ان کا جرم تو بہت بڑھا ہوا ہے اور عقاب بھی ہے۔'' (تفسیر منیر)

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریا آبادی رقمطراز ہیں: ''قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ امت کو ایک مستقل دستور العمل قیامت تک کیلئے پاکیزہ معاشرہ دیا ہے، اسلامی معاشرے میں گندے شہوانی تذکروں اور چرچوں کی جڑ ہی کاٹ دی؛ لیکن مقدم آیت کے عموم میں وہ تمام افعال وحرکات داخل ہیں جو امت کے معاشرے میں براہِ راست یا بالواسطہ کسی طرح بھی بے حیائی، شہوانیت، بدچلنی کے زندہ رہنے کا

سبب بنتے ہیں، خواہ ان کا نام آرٹ کی سرپرستی یا کلچر کی ترقی ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔'' (تفسیر ماجدی ۳/۶۴۴)

نیز آپ نے فرمایا: میں ایک ایسی قوم کو جانتا ہوں جو سینوں کو پیٹ رہے ہوں گے، جس کے مارنے کی آواز اہلِ جہنم بھی سنیں گے، ان میں ایک طعنہ زن ہے اور وہ افراد ہیں جو لوگوں کے عیوب تلاش کرتے ہیں اور پردہ دری کرتے ہیں اور ان فحش چیزوں کی اشاعت کرتے ہیں جو ان میں نہیں۔ (تفسیر کبیر)

الغرض اردو اخبارات کے مدیران اور اس کے ذمہ داران سے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اخبارات سے عریانیت وفحاشیت کا مکمل خاتمہ کریں اور ایسی خبریں جس سے فواحش کا فروغ ہو، ان کی اشاعت سے باز رہیں، اسی طرح ایسے مناظر جن سے فواحش کو بڑھاوا ملے انھیں شائع کرنے سے مکمل اجتناب کریں اور عریاں اشتہارات سے گریز کریں، مدیران سے ہماری پرخلوص گزارش ہے کہ وہ اپنے اخبار میں دینی روح باقی رکھنے کی سعی جدوجہد کریں، اپنے اخبارات کا مطمحِ نظر صرف کمائی یا ریاکاری ونام نمود نہ رکھیں؛ بلکہ اس سے درحقیقت امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے اخبارات کے ذریعہ زرد صحافت کا تعاقب کریں، اپنے اخبار کے ذریعہ دعوتِ دین کا اہم اور بنیادی فریضہ انجام دیں، قارئین اخبار کی ذمہ داری ہے کہ وہ مراسلتی خطوط کے ذریعہ فواحش کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کریں، ان فواحش پر بند لگانے کا مطالبہ کریں، ان فواحش سے ہونے والے نقصانات سے آگاہ کریں اور انھیں یہ اطلاع دیں کہ اردو صحافت عریانیت کے تعاقب کیلئے ہے، نہ کہ عریانیت کے فروغ کیلئے، اگر انھیں عریانیت کے فروغ کیلئے استعمال کیا گیا تو زرد صحافت کا تعاقب کون کرے گا؟ ان اخبارات کے ذریعہ مکمل اسلامی روح پیش کرنے کا اہتمام کریں، اربابِ حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ ان ذمہ دارانِ اخبارات سے موثر نمائندگی کرتے ہوئے عریانیت کا خاتمہ کرنے کا مطالبہ کریں، انھیں آگاہ کریں کہ تصاویر سے نسلِ نو پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ویب سائٹ بنانے کے رابطہ کریں!
خوبصورت ڈیزائننگ میں ویب سائٹ بنانے کیلئے رابطہ کریں
7004517407-9135319039
اربابِ مدارس کیلئے خصوصی رعایت کے ساتھ

حدیث شریف کی تشریعی حیثیت!

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

عقل انسانی اگر وحی ربانی سے مستنیر اور روشن نہ ہو، اور اس کی تائید وحی منزل سے نہ کی جائے تو اس کے بس میں نہیں ہے کہ بطور خود "کلام اللہ" سے شریعت کی جملہ تفصیلات اور تمام تر احکامات کا فہم وادراک کر سکے؛ اس لیے مکمل طور پر شریعت اسلامی کو جاننے کیلئے از بس ضروری ہے کہ حامل وحی الٰہی، اور خدائے علیم وخبیر کے فرستادہ "کلام اللہ کے شارح پیغمبر اعظم ﷺ کی احادیث کا سہارا لیا جائے؛ تاکہ ان کے شرح وبیان سے باری تعالیٰ کی مراد کو سمجھا، اور قرآن محکم سے احکام کی تفصیلات کو اخذ کیا جا سکے، لہٰذا اگر حدیث کی حجیت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا تو ان کی استعانت سے کلام اللہ کی مراد کی تعیین اور احکام ومسائل کی تفصیل کیوں کر درست ہوگی؟

حدیث پاک کی اسی ہمہ گیر اہمیت اور تشریعی حیثیت کی بناء پر، رسول خدا ﷺ نے حدیث کی اتباع اور پیروی کا اس قدر تاکید اور کثرت سے حکم دیا ہے کہ اس کا شمار آسان نہیں ہے، جس کے مجموعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی شریعت میں حدیث رسول ﷺ کو دلیل وحجت کی حیثیت حاصل ہے، اس موقع پر طوالت سے بچنے کیلئے صرف تین احادیث نقل کی جارہی ہیں؛ جبکہ کسی دعویٰ کے اثبات میں ایک دلیل کافی ہوتی ہے:

عن المقدام بن معدی كرِب رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه ﷺ انه قال: الاهل عَسَى رجل يبلغُه الحديث عنّي وهو متّكى على أريكته، فيقول: بيننا وبينكم كتاب اللّٰه، فما وجدنا فيه حلالاً استحللناه، وما وجدنا فيه حراماً حرّمناه، وانّ ما حرّم رسول اللّٰه كما حرّم الله. (رواه الائمة ابوداؤد، والترمذی، وابن ماجه، والدارمی

غور سے سنو! بیشک قریب ہے کہ ایک مرد کو میری جانب سے حدیث پہنچے گی، اور وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہوگا، تو کہے گا کہ ہمارے، تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے؛ لہٰذا اس میں جس چیز کو ہم حلال پائیں گے اسے حلال باور کریں گے، اور اس میں جس چیز کو ہم حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے؛ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی طرح ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

عن المقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰہ ﷺ انہ قال :ألاانّی اُوتیتُ الکتاب ومثله معه،اَلایوشک رجل شبعانُ علی أریکته یقول، علیکم بھذا القرآن، فما وجدتم فیه من حلال فاحلّوہ، وما وجدتم فیه من حرام فحرّموہ، الحدیث (کتاب الأطعمة)

بغور سنو! بیشک مجھے (اللہ کی جانب سے) کتاب دی گئی ہے، اور کتاب کے ساتھ اسی جیسی (حدیث وسنت بھی دی گئی ہے) خبردار رہو! قریب ہے کہ آسودہ حال شخص اپنی مزین سریر پر (ٹیک لگائے) کہے گا اسی قرآن کو لازم پکڑو، لہٰذا اس میں جو چیز حلال سے پاؤ اسے حلال قرار دو، اوراس میں جو چیز ازقبیل حرام پاؤ اسے حرام ٹھہراؤ۔

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

(الف) قرآن مجید کی طرح احادیث بھی منجانب اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی ہیں۔

(ب) قرآن حکیم کی طرح احادیث بھی احکام میں حجت ہیں۔

(ج) قرآن مقدس کی طرح احادیث مبارکہ پر بھی عمل لازم ہے۔

رسول خدا ﷺ کا یہ ارشاد پاک حجیت حدیث کے اثبات میں بالکل صریح ہے؛ کیونکہ اس حدیث کے جملہ ''**اُوتیت الکتاب ومثله معه**'' میں ''**الکتاب**'' سے قرآن مجید، اور ''**مثله**'' سے حدیث ہی مراد ہے، اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ آپ کی حدیث سے اعراض جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث سے اعراض قرآن مجید سے اعراض کے مرادف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**وَمَا اٰتَاکُم الرسولُ فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا**'' رسول اللہ تم سے جو بیان کریں اس پر عمل کرو اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

عن ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْه اَنّ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم :خطب الناس فی حجّة الوداع فقال فی خطبته: یا أیھا الناس، انّی ترکتُ فیکم ما اِن اعتصمتم به فلن یَضِلّوا أبداً: کتاب اللّٰہ، وسنة نبیه. (رواہ الحاکم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ''حجۃ الوداع'' میں لوگوں سے خطاب کیا تو اپنے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو بیشک میں نے چھوڑی ہے تمہارے درمیان ایسی چیز کہ اگر تم اسے پکڑے رہوگے تو کبھی راہ سے نہیں ہٹوگے (وہ چیز) اللہ کی کتاب، اور اللہ کے نبی کی حدیث ہے۔

امام بیہقی نے ''المدخل'' میں اسی کے ہم معنی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں یہ زیادتی ہے ''لن یفترقا حتی یردوا علی الحوض'' (مفتاح السنة :۷)

یعنی قرآن وحدیث کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ ایک ہی ساتھ قیامت میں حوض پر پہنچیں گے۔

یہ حدیث پاک صاف بتارہی ہے کہ ''کلام اللہ'' اور ''حدیث رسول اللہ'' دونوں جڑواں ہیں، کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہوں گے، اسلامی شرائع واحکام کی تکمیل ان دونوں کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، ان دونوں کو دلیلِ راہ بنائے بغیر منزلِ مقصود تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ حدیث پاک ہی سے قرآنِ حکیم کے مقاصد کی تفصیل اور اس کے احکام کی تکمیل ہوتی ہے، درحقیقت حدیث، اللہ کے کلام قرآن محکم کا بیان وشرح ہے، تو ایک کو دوسرے سے علیحدہ کیسے کیا جاسکتا ہے!

قرآن وحدیث کا یہ ربط باہمی صاف بتارہا ہے کہ دین اسلام میں حدیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت تشریعی اور حجت ودلیل ہی کی ہے؛ کیونکہ جب حدیث پاک کتاب الٰہی کا بیان اور اس کی شرح ہے، اور بلا ریب قرآن کی حیثیت تشریعی ہے، تو بغیر کسی تردد کے اس کے بیان وشرح کی حیثیت بھی تشریعی ہی ہوگی، یہی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک امت کا ہے۔

عن زید بن ثابت رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: نضّر اللّٰہ امرأً سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یُبلّغہ غیرہ فانہ رُبّ حاملِ فقہٍ لیس بفقیہ، ورُبّ حامل فقہ الی من ھو أفقہ منہ. (مسند احمد: ۵ / ۳۸۱)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ شادماں وبارونق بنائے اس آدمی کو جس نے مجھ سے حدیث سنی پھر اسے محفوظ کیا یہاں تک کہ دوسرے کو پہنچادیا؛ اس لیے کہ بہت سے حامل فقہ، فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے حاملِ فقہ اس کو پہنچاتے ہیں جو اس حامل فقہ سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

یہ مبارک حدیث زید بن ثابت کے علاوہ، عبداللہ بن مسعود، جبیر بن مطعم وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، حدیث پاک کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اسے محفوظ رکھنے پھر اس کی تبلیغ وتحدیث پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ مسرت خیز دعا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حدیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شان انتہائی بلند اور اس کا فائدہ نہایت عظیم ہے؟ ورنہ یہ دعا کیوں دی جاتی!

حدیث پاک کی یہ عظمت شان اور فائدۂ بیکراں اس کے سوا اور کیا ہے کہ یہ دین میں حجت اور احکام شریعت کی دلیل وبیان ہے۔ جیسا کہ خود اس حدیث کے آخری جزء ''رُبّ حامل فقه ليس بفقيه الخ'' سے ظاہر ہے۔

کیا اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بابرکت فرمان ہمیں یہ احساس نہیں دلا رہا ہے کہ سامع حدیث کو بعد والوں تک اسے پہنچانے پر مامور کیے جانے کا مقصد بس یہی ہے کہ یہ بعد والے بھی اس فقہ اور حکم شرعی پر عمل کریں جس پر یہ حدیث مشتمل ہے؟ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے؛ جبکہ حدیث دلیل وحجت ہو اور شریعت کے احکام اس سے ثابت ہوتے ہوں۔

ایک مرد مومن جس کے سر میں تھوڑی سی بھی عقل ہے کیا یہ وہم وگمان کرسکتا ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ نے حدیث پاک کو جو دوسروں کو سنانے کا حکم فرمایا ہے تو یہ احادیث (حاشا و کلاّ) ان دل بہلانے والی باتوں اور قصے، کہانیوں کی طرح ہیں جنھیں چوپال اور بیٹھکوں میں سنایا جاتا ہے؟ (حاشا و کلاّ) کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ اس بات سے بہت ہی بلند وبالا ہیں، اور آپ کی شانِ عصمت سے دور اور بہت دور ہے کہ اپنی امت کو بے فائدہ اور عبث کام کا حکم دیں؛ اس لیے لامحالہ حدیث کی تبلیغ وتحدیث کا حکم اور اس پر یہ دعا محض اسی بناء پر ہے کہ یہ دین اسلام میں حجت ہے۔ ہماری اس بات کی تائید امام مطّلبی محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ؁ کے قول سے ہوتی ہے؛ چنانچہ عبداللہ بن مسعود ﷺ مروی اس حدیث کے تحت امام شافعیؒ لکھتے ہیں:

فلما ندب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى استماع مقالته وحفظها، وأدائها دل على أنه صلى الله عليه وسلم لا يأمر أن يودّى عنه الّا ما تقوم به الحجة على من أدى اليه ۰ لأنه انما يُودّى عنه حلال يُؤتى، وحرام يُجتنب، وحَدّ يقام ومال يُوخَذ ويُعطى، ونصيحة فى دين ودنيا، ودلّ على أنه قد يحمل الفقه غيرُ فقيه، يكون له حافظاً ولا يكون فيه فقيها.

پس جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول وحدیث کو سننے، اسے محفوظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا، تو آپ ﷺ کا یہ حکم بتا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم اسی صورت میں دیں گے کہ جس کو یہ پہنچائی گئی ہے، اس پر اس سے حجت قائم ہورہی ہے؛ کیونکہ آپ کی جانب سے جو بات پہنچائی گئی ہے (وہ مشتمل ہوگی) حلال پر جو استعمال کیا جائے گا، یا حرام پر جس سے بچا جائیگا، یا حد وممانعت پر کہ ٹھہرا جائے گا، یا مال پر جو لیا دیا جائیگا یا دین ودنیا کی خیرخواہی پر،--- (بقیہ صفحہ 27 / پر)

عقائد کے خلاف فتنوں کی کثرت مرض کی علامت ہے

از: مولانا شاہ عالم گورکھپوری

اسلام میں عقیدہ کو اوّلیت حاصل ہے پہلے خدا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور کتابوں پر درست عقیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے پھر اس کے بعد ہی اعمال کی ابتدا ہوتی ہے، تفسیر حدیث اور فقہ وغیرہ کی ضرورت بھی اسی شخص کو پڑے گی جس کا پہلے خدا، اس کے رسول اور خدا کی کتابوں پر ایمان ہوگا ورنہ احادیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ علوم اسلامیہ کو ماننا ایسا ہی بے سود ہوگا جیسے کہ بغیر بنیاد کے عمارت کھڑی کردی جائے۔ عقیدہ کی حیثیت اور اہمیت کسی پر پوشیدہ نہیں مگر حیرت اس بات پر ہے کہ عقائد کی حفاظت کے لیے جو محنت درکار ہے اس میں مجموعی طور پر حد درجہ تغافل سے کام لیا جارہا ہے۔ مدارس اسلامیہ میں داخل عقائد کے نصاب پر اور ان کی تعلیم اور انداز تعلیم وتعلم پر اگر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے عقائد کے باب میں وہ محنت نہیں کی جاتی جو دیگر ابواب میں دور حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے۔

ماضی میں اسلامی عقائد پر جب یونانی فلسفہ نے یلغار مچایا تو اس کے فریب کو توڑنے کے لیے ہمارے بڑوں نے اس طرح محنتیں کیں کہ یونانی فلسفہ کی جادوگری آج خود فلسفیوں کے لیے مضحکہ خیز بن کر رہ گئی ہے ، متکلمین اسلام کے وضع کردہ اصولوں نے فلسفہ کے راستے سے آنے والے ارتدادی سیلاب کو نہ صرف یہ کہ قیامت تک کے لیے بند کردیا بلکہ نازک خیال فلسفیوں کو بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔لیکن آج صورت حال یوں بدل گئی ہے کہ جگہ جگہ فتنوں کی کثرت ہورہی ہے، نئے نئے ارتدادی فتنے مسلمانوں کے درمیان جنم لے رہے اور پنپ رہے ہیں، قدیم فلسفیوں کے زہریلے اثرات کو نئی نئی تعبیرات وزبان میں پیش کرکے ایک بار پھر اسلامی عقائد کو مسخ کرنے کی فکر میں بیشمار تنظیمیں شب وروز مصروف ہیں، اعمال میں تو خود مسلمانوں نے ہی دین کو بغیر ماہرینِ دین کے چلانے کی وکالت شروع کررکھی ہے لیکن پانی سر سے اتنا اونچا ہوچکا ہے کہ عقائد میں بھی اب دین کو بغیر ماہرینِ دین کے چلانے کی وبا عام مسلمانوں میں پھیلنے لگی ہے، ہر دانشور اسلامی عقائد میں رائے زنی کرنا اپنا موروثی حق سمجھنے لگا ہے۔ پھر ملحد دانشوروں کی تلچھٹ مرزا قادیانی اور اُس جیسے دیگر لوگ جیسے شکیل بن حنیف یا راشد شاز وغیرہ، اپنے آپ کو کیوں پیچھے رکھیں؛ چناں چہ وہ بھی

مسلمانوں کے درمیان عقائد کی مضبوط تعلیم نہ ہونے کا جی بھر کے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ اس خودسری کا بھیانک نتیجہ؛ عقائد اسلامیہ کو بازیچۂ اطفال بنانے کی صورت میں نکلے گا،جیسا کہ عام طور پر اب دیکھنے میں بھی آرہا ہے کہ جگہ جگہ اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد ونظریات کو تختۂ مشق بنایا جانے لگا ہے۔ میدان میں بالکل خاموشی کی بات تو نہیں کی جاسکتی لیکن سوائے چند افراد اور دو ایک تنظیموں کے کتنے لوگ ہیں جو اس سیلاب بلا کو روکنے میں فکرمند ہیں؟۔

فکرمندوں کا بھی حال یہ ہے کہ مرض کی بجائے علامات مرض کے علاج میں لگے ہیں جبکہ فتنوں کی کثرت اِس مرض کی علامت ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ کمزور ہو چکا ہے اُسے مضبوط کیا جائے تاکہ فتنوں سے بچاؤ میں مسلمان خود اپنی طاقت استعمال کرسکیں۔علاج کا کامیاب طریقہ یہ ہے کہ مرض کو دُور کیا جائے اور براہ راست مرض کا علاج کیا جائے نہ کہ علامتوں کا۔لیکن آج کل فتنوں کے پیچھے طرح طرح کی تنظیمیں قائم ہورہی ہیں علامات مرض کے پیچھے دوڑ لگانے والے کچھ لوگ دکھائی دیتے ہیں لیکن اصل مرض کے ازالے کی جانب توجہ کتنے لوگوں کی ہے؟۔

بلاشبہ اس میدان میں کام کرنے والی تنظیموں پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کے نبھانے میں وہ کوتاہ عمل ہیں لیکن مسئلے کا حل؛ کسی کو مورد الزام ٹھہرانے میں نہیں بلکہ اس بات میں ہے کہ ایمان وعقائد کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے سدباب کے لیے عقائد اور علم کلام کی تعلیم کے لیے محنت میں کچھ اضافہ کیا جائے اور علم کلام کی تعلیم کو نہ صرف یہ کہ معقولیت ومعنویت کے ساتھ اپنے اپنے مکاتب ومدارس کے نصاب کا جزو بنایا جائے بلکہ عام فہم بیانات اور کتابوں کے ذریعہ مساجد کی صبح وشام کی تعلیم کا حصہ بنادیا جائے۔متکلمین اسلام نے عقائد کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے جو کامیاب ولاجواب علمی اور عقلی اصول دیئے ہیں،اُن کی روشنی میں حالات حاضرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے علاقائی اور رائج زبان وبیان کے ذریعہ عام مسلمانوں میں بھی اتنی صلاحیت پیدا کردی جائے کہ گلی کوچوں میں جنم لینے والی ارتدادی لہروں کا مسکت جواب دینے کی صلاحیت اُن میں پیدا ہوجائے۔

علم کلام جو عقائد کو تحفظ فراہم کرتا ہے اس سے بیگانگی اور ناواقفیت کے سبب آج کا مسلمان اس قدر مرعوب ہوگیا ہے کہ اگر کوئی قادیانی یا شکیلی کسی گلی کوچے میں وسوسہ چھوڑ دے تو ہمارا نوجوان اس کو بہت بڑا

تیر سمجھ کر مولانا صاحبوں کے پیچھے پڑ جائے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ لیکن کوئی عالم دین مسجد کے ممبر و محراب سے معقول سے معقول تر جواب دے دے تو اس کو لے کر قادیانیوں یا شکیلیوں کے پیچھے کبھی نہیں پڑتا کہ تم نے بلا وجہ کا یہ وسوسہ اسلام میں کیوں پیدا کیا؟۔ مسلمانوں کے درمیان مرعوبیت کی اس حالت کو اگر پلٹنا ہے تو اس کیلئے معقول توڑ دریافت کرنا پڑے گا۔ راقم سطور نے اپنے بڑوں کی تحریرات و بیانات کی روشنی میں اس کا جو حل سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ دور حاضر کی زبان میں علم کلام کے دلائل سے مسلمانوں کو مزین کر دیا جائے۔ اگر اس باب میں بچپن کی تعلیم مضبوط ہو جائے تو عمر کے ہر مرحلے میں اُن دلائل سے وہ بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور قدیم علم کلام کو اپنی من پسند جدید زبان میں پا کر ہر دہریے اور ملحد کا توڑ؛ وہ خود دریافت کریں گے، بلکہ اسلامی عقائد کے روشن ماضی سے خود کو مربوط رکھنے کی ذمہ داری کو بھی وہ محسوس کریں گے۔

قدیم متکلمین اسلام کے مضامین کو جدید اور سہل زبان میں بیان کرنے یا سمجھنے کے لیے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا محمد مسلم دیوبندیؒ، اسی طرح حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ وغیرہ اکابر دیوبند کے رسائل و مضامین جو بطور خاص عقائد اور کلام کے ہی موضوع پر تصنیف کیے گئے ہیں؛ شائقین اور دلچسپی رکھنے والوں کیلئے نفع بخش ہو سکتے ہیں۔ یا ان بزرگوں کی تحریرات کی روشنی میں اپنے اپنے علاقوں میں پیش آمدہ مخالفین اسلام کے اعتراضات و وساوس کے جوابات؛ نئی نئی مثالوں کے ذریعہ شستہ و سلیس زبان میں ترتیب بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ ○❖○

حدیث شریف کی تشریعی حیثیت!

(الرسالة: ۴۰۴ ونقله الامام السيوطي عن البيهقي في مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة: ۵)

اور آپ کا یہ فرمان یہ (بھی) دلالت کر رہا ہے کہ کبھی فقہ کا حامل غیر فقیہ ہوتا ہے، اس کا حافظ تو ہوتا ہے، اس میں فقیہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعیؒ نے اصول فقہ کی اپنی نادر و بے مثال تصنیف ''الرسالة'' میں یہ حدیث خبر آحاد کی حجیت میں نقل کی ہے اور اس پر یہ تعلیق اور شرح درج فرمائی ہے، جس سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حدیث مبارک ''نَضّر الله امرأً سمع منا حديثاً الخ'' حجیت حدیث کی ایک روشن دلیل ہے۔ ○❖○

بیت المقدس سے ہمارا رشتہ!

مولانا ندیم الواجدی

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اپنی شدت پسندی اور اسلام دشمنی کے لیے مشہور ہیں، صدر منتخب ہونے کے بعد انھوں نے اپنی یہ دشمنی چھپا کر نہیں رکھی، کئی اسلامی ملکوں پر وہ اپنے ملک کے دروازے بند کر چکے ہیں، اگرچہ امریکی عدالتوں نے ان کے فیصلوں کو کالعدم قرار دے دیا ہے، اور اب ان کا یہ فیصلہ کہ وہ اپنے ملک کا سفارت خانہ تل ابیب سے یروشلم میں منتقل کرنے جارہے ہیں ان کی اسلام دشمنی کا کُھلا ثبوت ہے، یہ اعلان وہ جون ۲۰۱۷ء میں کرنے جارہے تھے لیکن سعودی عرب سے بڑھتے ہوئے تعلقات کے پیش نظر انھوں نے عارضی طور پر اپنے قدم پیچھے ہٹالئے تھے، اب ۶ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو انھوں نے اپنا یہ قطعی فیصلہ سنا دیا ہے، قدرتی طور پر اس اعلان سے پوری دنیا کے مسلمانوں میں اضطراب اور تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے، اگر مسلم ملکوں نے سخت اقدامات نہیں کئے تو وہ دن دور نہیں جب بیت المقدس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو ملا کر اس کو راجدھانی بنانے کا وہ خواب پورا ہوجائے گا جو اسرائیل اپنے قیام کے روز اول سے دیکھتا آرہا ہے، ٹرمپ نے اس اعلان کے لئے دسمبر کا مہینہ اس لئے چنا ہے کہ آج سے ٹھیک سو سال پہلے دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے ایک ماہ کی جنگ کے بعد عثمانیوں سے یہ شہر چھین لیا تھا، ۱۹۴۸ء میں جب برطانیہ کا انخلا عمل میں آیا تو ایک سازش کے تحت یہودیوں کو شہر کے مغربی حصے پر بسا دیا گیا، ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے بین الاقوامی طاقتوں کے بل بوتے پر بیت المقدس کے مشرقی حصے پر بھی قبضہ کرلیا جس میں مسجد اقصیٰ واقع ہے اور جس سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی ہے، اس وقت سے آج تک اسرائیل بیت المقدس کے دونوں حصوں پر قابض چلا آرہا ہے، مسلم ملکوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ اسرائیل کے تسلط سے اس شہر کو آزاد کراسکیں، دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب مسلمانوں میں عمر بن الخطابؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ جیسے بہادر پیدا ہونے بند ہوگئے ہیں جنھوں نے عیسائیوں کو شکست دے کر اس شہر مقدس پر قبضہ کیا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں اسرائیل نے یہ اعلان کر کے اپنے عزائم ظاہر کردئے تھے کہ وہ اس شہر کو اپنا دارالحکومت بنانے جارہا ہے، اسی وقت اسرائیلی حکومت کے تمام دفاتر، پارلیمنٹ ہاؤس، سپریم کورٹ، صدر اور وزیراعظم کی رہائش گاہیں تل ابیب سے اس شہر میں منتقل کردی گئیں، اور آج تک وہیں موجود ہیں، بین الاقوامی برادری نے اسرائیل کا

ساتھ نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ملک کا سفارت خانہ یہاں منتقل نہیں ہوسکا، امریکہ نے بائیس سال قبل ۱۹۹۵ء میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے یہاں منتقل کردے گا، مگر آج تک اس کے سابقہ صدور اس فیصلے پر عمل کرنے کی ہمت نہ کرسکے، اب اچانک ٹرمپ نے اس فیصلے پر عمل کرنے کا اعلان کرکے نہ صرف مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے بل کہ مسلم ملکوں کو چیلنج بھی دے دیا ہے کہ اگر ان میں ہمت ہے تو وہ اس فیصلے کی مخالفت کرکے دکھلائیں۔

بیت المقدس پر یہودیوں کے غاصبانہ قبضے نے مسلمانوں کو سالہا سال سے بے چین ومضطرب کررکھا ہے، اور فی الحال ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی کہ مسلمان اپنے اس شہر کو اسرائیل کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرالیں گے، اگرچہ اسرائیل پر اقوام متحدہ کی طرف سے بہت سی پابندیاں عائد ہیں مگر وہ کسی بھی بین الاقوامی دباؤ کو قبول نہیں کرتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ امریکہ سمیت تمام بڑی طاقتیں اس کے ساتھ ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ بین الاقوامی پابندیوں کے باوجود اس شہر مقدس میں نئی نئی کالونیاں تعمیر کررہا ہے اور دور دراز کے علاقوں سے یہودیوں کو لاکر یہاں بسایا جارہا ہے تاکہ ان کی تعداد قدیم فلسطینی باشندوں کی تعداد کے مقابلے میں زیادہ ہوجائے، اسرائیل منصوبے میں یہ بھی شامل ہے کہ مسجد اقصی کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول بھی ہے اور جس کو سرکار دوعالم ﷺ کی ذات گرامی قدر سے یہ نسبت بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ معراج کی رات یہاں تشریف لائے، آپ ﷺ نے اس مسجد میں تحیۃ المسجد ادا فرمائی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی جو پہلے سے وہاں موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر تھے، یہیں سے آپ براق پر سوار ہوکر آسمان پر تشریف لے گئے، یہود چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی عقیدتوں اور محبتوں کا یہ مرکز روئے زمین سے نیست ونابود کردیا جائے، اس منصوبے کو بروئے عمل لانے کے لئے یہودی ۱۹۶۷ء سے لگاتار سازشیں کرنے میں مصروف ہیں، کبھی آثار قدیمہ کی تحقیق وجستجو کے نام پر مسجد اقصیٰ کی دیواروں کے نیچے کھدائی کی جاتی ہے اور کبھی اس کے صحن میں، مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کسی طرح مسجد اقصیٰ کی بنیادیں کمزور پڑجائیں اور یہ عظیم مسجد خود بہ خود زمیں بوس ہوجائے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ دونوں ایک ہی عمارت کے دو نام ہیں، یہ غلط فہمی ان تصویروں کے ذریعے پھیلی ہے جن میں سنہرا قبۃ الصخرۃ نظر آتا ہے اور جس کے برابر میں لکھا رہتا ہے بیت المقدس، حقیقت یہ ہے کہ بیت المقدس ایک قدیم شہر کا نام ہے جس میں مسجد اقصیٰ واقع ہے، اور جس

کے صحن میں دل کش قبۃ الصخرہ موجود ہے، اس کے علاوہ بھی وہاں مسجدیں اور قبّے ہیں، انبیاء کرام کی قبریں ہیں، اور دوسری یادگاریں ہیں، یہ دنیا کا واحد شہر ہے جسے دنیا کے تین بڑے مذاہب کے لوگ اپنی اپنی عقیدت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں، مسلمان اس شہر سے اس لیے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں کہ یہاں ان کا قبلہء اوّل اور حرم ثالث مسجد اقصیٰ موجود ہے، اس مسجد کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ معراج کی رات سرکار دو عالم ﷺ اس مسجد میں تشریف لائے، یہاں انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور یہیں سے معراج کے سفر پر تشریف لے گئے، عیسائی اس شہر سے اس لیے عقیدت رکھتے ہیں کہ یہاں سے تقریباً پندرہ کلومیٹر دور واقع تاریخی شہر بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، ہر وقت دنیا بھر سے عیسائیوں کے قافلے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس شہر میں کھجور کا وہ درخت آج تک موجود ہے جس کی کھجوریں حضرت مریم علیہا السلام نے وضع حمل سے پہلے یا بعد میں کھائیں تھیں، اس درخت کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے، یہودی اس شہر کو اس لیے مقدس سمجھتے ہیں کہ یہ شہر حضرت سلیمان علیہ السلام کا دار الخلافہ رہا ہے، اور بہ قول ان کے یہاں ان کا تعمیر کردہ ہیکل موجود تھا جس کو گرا کر مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی ہے۔ بیت المقدس کی فضیلت اور عظمت کے لئے صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں اس ارض مقدس کا ذکر کم از کم چھ مرتبہ آیا ہے اور جہاں بھی آیا ہے قرآن کریم نے اس کا ذکر ''برکت اور تقدس'' کے ساتھ کیا ہے، پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد انتہائی تقدس اور فضیلت کا حامل ہے، تمام مفسرین اس پر متفق ہین کہ یہاں برکت سے مراد ظاہری اور باطنی ہر طرح کی برکات ہیں، ایک طرف تو یہ سینکڑوں انبیاء ورُسل کا مسکن اور مدفن رہا ہے دوسری طرف اللہ کی عطا کردہ مادّی نعمتوں سے بھی بہرہ ور ہے۔

بیت المقدس ہزاروں سال قدیم شہر ہے، بہت سے عرب قبائل یہاں آکر آباد ہوئے، جیسے معموری، آرامی، کنعانی، قدیم زمانے میں اس شہر کو یبوس بھی کہا جاتا تھا، جو کنعان کے قدیم قبائل میں سے ایک قبیلے کا نام ہے، ارض فلسطین کو ارض کنعان بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہاں کنعانی نسل کے بہت سے قبیلے بھی رہ چکے ہیں، کچھ عرصے کے بعد اسے یورسالیم کہا جانے لگا جو اب یروشلم ہو گیا ہے، اور یہودی اسے یروشلم ہی کہتے ہیں، جس وقت افریقی اور رومن نسل کے لوگ یہاں آباد ہوئے اس وقت اس شہر کا نام ایلیاء تھا، حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آیا تو اس کا نام تبدیل کر کے بیت المقدس رکھ دیا گیا جس کے معنی ہیں پاک گھر، مبارک ومقدس سرزمین (معجم البلدان: ۲۶۱/۵) یہ ۱۶ھ کی بات

ہے، لگ بھگ پانچ سو سال تک مسلسل یہ شہر مسلمانوں کے پاس رہا، عباسی حکمراں کمزور پڑے تو صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں اس پر قبضہ کرلیا، لگ بھگ نوے سال تک یہ شہر غیر مسلموں کے پاس رہا، یہاں تک کہ ۵۸۳ھ میں مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے دوبارہ فتح کر کے اسلامی شہروں کی فہرست میں شامل کرلیا، اس وقت سے ۱۹۴۸ء تک مسلمان ہی اس شہر پر حکمراں رہے، ارض فلسطین پر جس میں بیت المقدس واقع ہے پہلی عالمی جنگ تک ترکوں کا قبضہ رہا، ۱۹۱۷ء میں پہلی مرتبہ برطانوی افواج بیت المقدس میں داخل ہوئیں، اس زمانے میں ساری دنیا سے یہودی بہ کثرت نقل مکانی کر کے فلسطین میں آ بسے تھے، برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے یہودیوں کے لیے مستقل ملک کی تجویز رکھی اور ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، فلسطین کے مغربی حصے پر جو پچپن فی صد علاقے کو محیط ہے یہودی قابض ہوگئے اور انھوں نے تل ابیب کو اپنا پایہء تخت بنالیا، باقی مشرقی فلسطین میں عرب رہتے رہے، ۱۹۶۷ء میں مشرقی فلسطین کا بڑا حصہ بھی یہودیوں نے ہتھیالیا، پہلے بیت المقدس کا نظام اردن کے ہاتھ میں تھا، اب اس پر بھی یہودی قابض ہیں، یہودیوں کے پاس اس وقت ارض فلسطین کا بیس ہزار چار سو مربع کلومیٹر کا رقبہ ہے، اس علاقے کی کل آبادی ستر لاکھ ہے، جس میں مسلمانوں کا تناسب صرف بیس فی صد ہے، پہلے یہ تناسب پچاس فی صد سے زیادہ تھا، فلسطین کے حالات سے مجبور ہوکر مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے آس پاس کے ملکوں میں منتقل ہوگئی ہے جہاں وہ نہایت کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں، جو لوگ فلسطین میں باقی ہیں وہ بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر زندگی بسر کر رہے ہیں اگر چہ ۱۹۹۳ء میں اسرائیل نے فلسطینیوں کو خود مختاری دینے کے معاہدے پر دستخط کئے تھے، لیکن عملاً اب بھی وہاں اسرائیل ہی کا حکم چلتا ہے، بے قصور مسلمانوں پر اسرائیل کے مظالم کا سلسلہ جاری ہے اور ساری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ امریکی اعلان صرف سفارت خانہ منتقل کرنے کی سادہ سی کارروائی نہیں ہے بل کہ وہ مستقبل کے عزائم کا اظہار بھی ہے، اگر ہمارے مسلم ملک اسی طرح خانہ جنگی میں مبتلا رہے، اور اسی طرح اپنے مفادات کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں رہے تو وہ دن دور نہیں کہ بیت المقدس ہی نہیں بل کہ فلسطین کے دوسرے شہر بھی اسرائیل میں ضم ہوجائیں گے، اس کے ساتھ ہی بیت المقدس سے مسجد اقصیٰ اور دوسرے اسلامی آثار کا وجود بھی مٹ جائیگا، ہم آج تک ۱۹۶۷ء کی جنگ میں چھینے گئے علاقے اسرائیل سے واپس نہ لے سکے، مستقبل میں بیت المقدس، غزہ اور الخلیل جیسے شہر بھی اسرائیل نے نگل لئے تو ہم ان کو بھی واپس نہیں لے پائیں گے۔ ❍❖❍

دعوت دین کی ضرورت اور اس کا بہتر طریقہ!

نثار احمد حصیر قاسمی، سکریٹری جنرل اکیڈمی آف ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹیڈیز، حیدرآباد

دعوت دین انبیاء ورسل تک محدود نہیں، بلکہ اس کی ذمہ داری ہر زمان ومکان کے مسلمانوں اور علماء پر ہے، اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''میری بات دوسروں تک پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت اور ایک ہی بات ہو''

دوسری جگہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ ﷺ نے تفصیل سے بین الاقوامی نظام امن وسیاست کے اصول کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''**الا فلیبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع**'' جو لوگ موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ جس تک یہ بات پہنچے خود سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والا ہو۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ دعوت دین کے ذرائع ووسائل بے شمار ہیں، مساجد وعبادت گاہیں دعوت کے اہم مراکز ہیں، غیر مسلموں میں یا مغربی ملکوں میں دعوت کا طریقہ مسلم ملکوں کے طریقہ سے مختلف ہے، حالات ومقامات اور افراد کے اعتبار سے اس کی صورتیں جداگانہ اختیار کی جاتی ہیں، مگر ہر ایک کا مقصد اسلام کا پیغام اس انداز واسلوب میں دوسروں تک پہچانا ہے جو دلوں پر اثر کر سکے، اس میں نرمی پیدا کر سکے، ان کی نفرتوں کو محبتوں میں تبدیل کر سکے، ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے لوگ متنفر ہوں اسلام سے بدکیں اور اسے فرسودہ سمجھنے پر مجبور ہوں، ہر زمانہ میں مسلمانوں نے اس فریضہ کو انجام دیا ہے، اسی لئے ہر زمانہ میں مذہب اسلام پھلتا اور پھولتا رہا اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے، اس میں کبھی کمی نہیں آئی۔

ہمیں اس کا بھی بخوبی علم ہے کہ اسلام اور دین وایمان کے پھیلاؤ میں ذرائع ابلاغ کا بڑا اہم رول رہا ہے، ان ذرائع ابلاغ کی صورتیں ایک نہیں بلکہ اس کی صورتیں بے شمار ہیں، جدید ٹکنالوجی کی دریافت اور اس کے معرض وجود میں آجانے کے بعد دعوت کا عمل پہلے کے برعکس تبدیل ہوگیا ہے، آج انسان کے بس میں ہے کہ وہ ایک مضمون، ایک چھوٹی سی تحریر اور اپنی بات تحریر کر کے اسے ساری دنیا میں پھیلا دے کہ منٹوں میں دنیا کے گوشے گوشے کے لوگ اسے پڑھ لیں اور اس سے واقف ہو جائیں، آج ہم ہندوستان میں بیٹھ کر ایک بات تحریر کرتے اور لمحوں میں وہ مشرق ومغرب میں پڑھ لیا جاتا ہے، اور لوگ اس پر اپنے تبصرے اور اپنی رائیں بھیجنے لگتے ہیں، آج ان وسائل کی آمد کے بعد ہماری ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے، ہماری ذمہ داری ہے

کہ ہم ان ذرائع کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے دین اسلام کا پیغام اور اس کی دعوت اقوام عالم تک پہنچائیں اور اس کے خلاف اعداء اسلام جو سرگرم ہیں ان کا حکیمانہ جواب دیں، ان کی سازشوں کو ناکام بنائیں اور اپنے دین و مذہب کا پوری بصیرت کے ساتھ دفاع کریں، ہم ہر ایسے مسموم ذہنوں کی پیداوار کا جواب دیں جس کے ذریعہ وہ ہمارے دین و مذہب کی صورت بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس کے لئے جھوٹ و دروغ گوئی، جعل سازی و گمراہ کن پروپیگنڈوں کا سہارا لے رہے، اور بے بنیاد مناظر تیار کر کے پیش کر رہے ہیں، تاکہ دنیا کے عام باشندوں کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں منفی جذبات پیدا ہوں اور وہ اسلام سے قریب آنے کی بجائے اس سے دور و متنفر ہوں، اس وقت سارے مسلمانوں خاص طور پر داعیان دین یا جو ذرائع ابلاغ سے وابستہ ہیں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی توجہ اس کے ذریعہ دعوت پر مرکوز کریں اور اسلام کے دفاع میں اپنی ذمہ داری نبھائیں اور مسلمانوں کو اپنا سلوک اور اپنی زندگی سچے مسلمانوں والا بنانے کی تلقین و تفہیم کریں۔

ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ جدید ذرائع ابلاغ ان اہم ترین وسائل میں سے ہیں جو مذہب اسلام کی دعوت کو پھیلانے اور پوری دنیا میں اسلام و مسلمانوں کے بارے میں پھیلائی جارہی غلط تصویر کو بہتر بنانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں، آج ہندوستان کی غیر مسلم آبادیوں میں اسی طرح مغرب کی یہودی و مسیحی آبادی میں طرح طرح کی باتیں اسلام کے بارے میں پھیلائی جارہی ہیں اور پوری قوت سے کوشش کی جارہی ہے کہ دنیا کے باشندے اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچیں بھی نہیں، اسلام کے بارے میں عام پروپگنڈا کیا جاتا اور ذہنوں میں ایک سوچ بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو آزادی نہیں دیتا بلکہ انہیں قید و بند میں جکڑ دیتا اور ان کی زندگی تنگ کر دیتا ہے، جب کہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے، اسلام ہر چیز میں آسانیاں پیدا کرتا ہے سختی نہیں، اسلام میں رکھ رکھاؤ میل میلاپ اور بڑی آزادی ہے، اس جیسی آزادی کسی اور معتبر مذہب میں نہیں، مگر وہ لوگوں کو قانون پر عمل کرانا چاہتا اور اسے قانون سے بالاتر نہیں گردانتا ہے، اسے قانون کا پابند بنا کر مکمل آزادی دیتا ہے، ہمیں بخوبی احساس ہے کہ دنیا میں دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی میں ہم سے کوتاہیاں ہوئی اور ہو رہی ہیں، ہم نے اس فریضہ کو اس طرح انجام نہیں دیا جس طرح ہمیں دینا چاہئے تھا، ہم اب بھی خواب غفلت میں پڑے اور کاہلی کا شکار ہیں، جبکہ مغربی ذرائع ابلاغ اور خود ہمارے ہندوستان میں آر ایس ایس کے زیر اثر سارے ذرائع

ابلاغ اس میں سرگرم ہیں وہ رات ودن اسلام کو بدنام کرنے میں لگے ہیں، ان کی دعوت کا اسلوب منفی ہے، وہ اپنی مذہبی بات تو کم ہی پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس پیش کرنے کی کوئی خاص چیز نہیں، مگر وہ اپنی بات منوانے اور اپنی دعوت عام کرنے کے لئے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ہم ہندوستان میں بھی اور مغربی ملکوں میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس شر کے اندر بھی خیر کا پہلو نکل رہا ہے، ان کی اس مہم کے نتیجہ میں لوگ اسلام کے مطالعہ کی طرف راغب ہورہے ہیں اس کا مطالعہ کرتے اور جب اس کی صداقت نظر آتی ہے تو بہت سے حلقہ بگوش اسلام بھی ہوجاتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دعوت میں کوتاہی کو جاری رکھیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ اس کے لئے سرگرم ہوں، ہم عمدہ معیار اختیار کرتے ہوئے ان جدید وسائل کا استعمال کریں اور عالمی سطح پر اور اس کے معیار کے مطابق اسلام کا پیغام اقوام عالم تک پہچانے کی کوشش کریں، اس دعوت دین کو پھیلانے کی شروعات رسول اللہ ﷺ نے کی تھی، صحابہ کرام نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا، تابعین وتبع تابعین نے اس امانت کو بعد والوں تک پہنچایا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل علم آج بھی اس خدمت کو اپنی بساط کے مطابق انجام دے رہے ہیں، علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کو دین اسلام اور اسلامی تعلیمات سے روشناس کریں، اقوام عالم کو اسلام کے پیغام کی وضاحت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دیں، آج ہر ملک میں ہزاروں چینل ہیں جو رات ودن اپنی نشریات پیش کرتے رہتے ہیں، آج کا زمانہ چینلوں، انفارمیشن اور انٹرنیٹ اور طرح طرح کے سائٹوں اور رابطے کے وسائل کا زمانہ ہے، ان وسائل کا سہارا لے کر ہم اسلام کی حقیقت وحقانیت، اسلام کی تاریخ، اس کے عدل وانصاف، اس کی رواداری، اس کے عطا کردہ حقوق اور اس کے سنہرے ادوار حکمرانی کو لوگوں کے سامنے پیش کریں، اور مغربی وصہیونی میڈیا کے پروپگنڈوں کا جواب اقوام عالم کی زبان میں دیں، انٹرنیٹ اور رابطے کے جدید وسائل نے دعوت کے کام کو ہمارے لئے آسان بنادیا ہے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے، اس کے ذریعہ ہم دنیا کے گوشے گوشے سے منٹوں میں ربط کرلیتے ہیں، ہم ایک چیز تحریر کرکے جونہی پوسٹ کرتے ہیں لاکھوں کروڑوں لوگ اسے فورا پڑھ لیتے ہیں، ہمارے پڑوس کے لوگ جس طرح اسے دیکھتے مشرق ومغرب کے لوگ بھی اسی لمحہ اسے دیکھ لیتے ہیں، اس سہولت نے ہم پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ ہم اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کریں، علماء دین کی اب ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے اپنے علم میں گہرائی پیدا کریں مذاہب وادیان کا

مطالعہ کریں، مختلف زبانوں میں لکھنا اور بولنا سیکھیں اور کتاب وسنت میں دسترس حاصل کرنے کے بعد بہتر سے بہتر اسلوب میں دین اسلام کی تعلیمات دوسروں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کی تربیت حاصل کریں، اس کے بعد ان جدید وسائل کو دعوت اسلامی کے مقصد سے استعمال کریں، آج مثال کے طور پر ہم اگر اپنی اردو زبان میں دین کی باتیں لکھنے اور بولتے رہیں تو یہ بھی بلاشبہ اچھا عمل ہے، مگر اس کا دائرہ محدود ہے، ہم اپنی بات اپنوں کو ہی کہہ رہے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی بات دوسروں تک ان کی زبان میں پہنچائیں اور انہیں مطمئن کریں، اس کے لئے ہمیں ہندی، تلگو، کنٹر، مراٹھا، کیرل، تامل، بنگالی، اسامی اور ہر خطے کی زبان میں مہارت حاصل کرنا ہوگا، ہر زبان کے داعیوں کی ایک کھیپ تیار کرنی ہوگی، جو ان زبانوں میں دعوت کا فریضہ انجام دے سکیں، اسلام کے خلاف پھیلائے جارہے منفی پروپگنڈوں کا جواب دے سکیں، ہم باور کراسکیں کہ ہمارے دین ومذہب کی تعلیمات شخصی منافع ومفادات سے بالاتر ہیں، ہم سرمایہ داروں کی تسکین اور مردوں کی اپنی خانگی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کے مقصد سے عورتوں کو نیلام نہیں کرتے اور نہ انہیں ان ذمہ داریوں میں حصہ دار بناتے ہیں، بلکہ اسلام ہر ایک کو اس کے دائرہ میں آزادی دیتا اور ہر ایک کے فرائض وواجبات اور ذمہ داریوں وحقوق کو متعین کرتا ہے، اور وہی اس کی ذات کے لئے مفید اور اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ناقص علم رکھنے والے حضرات چینلوں کے مباحث اور دین اسلام کی ترجمانی کے لئے اسکرین پر آنے سے گریز کریں کہ ان کی لاعلمی وجہالت کی وجہ سے، ان کے ناروا طرز عمل اور آپے سے باہر ہونے کی وجہ سے اور لاکھوں انسانوں کی نگاہوں کے سامنے عدم علم کی وجہ سے لاجواب ہوجانے کی وجہ سے نہ صرف اسلام ومسلمانوں کی سبکی ہوتی بلکہ دعوت کے عمل کو سخت نقصان پہنچتا ہے اس لئے اگر اہل علم میں سے کسی کو مباحثہ کے لئے دعوت دی جائے اور ان کا علم ناقص اور معلومات کی کمی ہو تو وہ معذرت کریں اور علم میں گہرائی رکھنے والوں کی نشاندہی کریں کہ اس کے لئے انہیں مدعو کیا جائے، خودنمائی وشہرت کی لالچ میں خدارا اسلام کو بدنام کرنے اور اس کی رسوائی کا سبب بننے سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وماانا من المشركين** (یوسف ۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے کہ میری راہ یہی ہے، میں اور میری پیروی کرنے والے اللہ کی طرف بلارہے ہیں پورے یقین اور اعتماد یعنی دلائل کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔ ○ ❖ ○

ہندوستانی مسلمانوں کی ذمہ داری

عزیر احمد جواہر لال نہرو یونیورسٹی

ہندوستانی مسلمان کی حالت کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے کہ آزادی کے بعد سے لیکے اب تک کبھی بھی مسلمانوں کو ہندوستان میں اتنی کسمپرسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا جتنی کہ آج کل کر رہے ہیں، حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہوں گے کہ مسلمان آج ہندوستان میں کس جگہ پہ کھڑے ہیں، ہر جگہ سے ان کی تعداد گھٹ گئی ہے، پارلیامنٹ، پولیس، بیوروکریسی، ویسے تعداد تو پہلے بھی کبھی ان کی مجموعی آبادی کے اعتبار سے مناسب نہیں رہی ہے، لیکن پھر 2014ء الیکشن کے بعد مزید کمی آ گئی ہے، رہی سہی کسر بقیہ صوبوں میں بی. جے. پی کی حکومت آنے سے پوری ہوگئی ہے۔

اگر اس وقت پورے ہندوستان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چھوٹے چھوٹے عہدوں سے لیکے بڑے بڑے عہدوں تک ہر جگہ سنگھ کے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، ہندوستان کے لئے اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات کیا ہے کہ ہندوستان کے سب سے زیادہ معزز اور محترم تینوں اعلی عہدوں پہ بھی انہیں کے لوگ فائز ہیں، یہ سب کیسے ہوا، کیوں ہوا، اس کی پوری الگ داستان ہے، ہاں بنیادی بات صرف اتنی سی ہے کہ کل کی وہ تنظیم جس پہ کبھی پابندی عائد تھی اور جسے عام آدمی ملک مخالف تسلیم کیا کرتے تھے، وہی آج ملک کے سیاہ وسفید کی مالک اور سب سے بڑی نیشنلسٹ پارٹی ہے۔

کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے پر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ملک کا ماحول کافی زہر آلود ہو چکا ہے، یہاں کی فضاؤں میں نفرت گھل چکی ہے، برادران وطن کا آپس میں ایک دوسرے کے تئیں اعتماد اٹھ چکا ہے، اب تو لوگ ٹرینوں میں مرغے کا بھی گوشت لے جاتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں کہ کیا پتہ کب گائے کے گوشت کے نام پہ ان کے ساتھ حادثہ ہو جائے، جانچ کا کیا ہے، وہ تو بعد میں ہوتا ہی رہے گا۔

اس طرح کی صورت حال میں مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ آ کھڑا ہوتا ہے کہ آخر مسلمان کیا کریں، کیا الگ سیاسی پارٹی بنالیں، یا پھر جو قومی اور ملکی سطح کی پہلے سے موجود پارٹیاں ہیں انہیں میں اپنا مستقبل ڈھونڈنے کی کوشش کریں، سوال کا جواب تو تھوڑا سا مشکل ہے، کیونکہ جتنے لوگ ہیں اتنے ہی ان کے آراء ہیں، اور ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں، لیکن دو تین دن قبل میرے آبائی گاؤں میں ایک حادثہ ہوا، اس کے بعد سے میرے دل میں یہ خیال نہایت ہی شدت سے جاگزیں ہو گیا ہے کہ الگ مسلم پارٹیاں یا کوئی بھی پارٹی حل نہیں ہے، اصل چیز پاور ہے، اور یہ پاور ایک چھوٹے لیول سے لیکے بڑے لیول تک جب تک

مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہوگا، مسلمان اسی طرح لاچاری اور مجبوری کی زندگی گزارتے رہیں گے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے پاور کا حصول سیاست کے ذریعہ قدرے مشکل ہے، کیونکہ جیسے ہی مسلمان میدان میں آتے ہیں، نفرت کا بازار گرم ہوجاتا ہے، فرقہ وارانہ سیاست عروج پہ پہونچ جاتی ہے، اس لئے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس وقت مسلمانوں کو نہایت ہی خاموشی سے کام کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کیلئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ لانگ ٹرم پلاننگ کیا جائے، اور یہ پلاننگ ایک چھوٹے لیول یعنی گاؤں سے لیکے جمیعت و جماعت غرضیکہ ہر سطح پہ کی جاسکتی ہے اور اس پلاننگ کا بنیادی تھیم مسلم بچوں کو بیوروکریسی، پولیس، عدلیہ اور میڈیا میں یہ پہونچانا ہے، اور یہ کام اس وقت تک کبھی نہیں ہوسکتا ہے جب تک مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور بیدار نہیں ہوگا، ذمہ داری کا احساس ہی انسان کو کچھ کرنے پہ آمادہ کرتا ہے، ہمارے نبی ﷺ نے ہم میں سے ہر شخص کو ذمہ دار قرار دیا تھا، اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں کل قیامت کے دن سوال کئے جانے کے بارے میں بھی بتلایا تھا، یقینی طور پہ ہندوستان میں اپنی متحدہ شناخت کو نہ صرف تلاش کرنا بلکہ اس کی بقاء کیلئے جدوجہد کرنا بھی تمام مسلمانوں کی متحدہ ذمہ داری ہے۔

یہ بات ہر شخص کو جاننا چاہئے کہ ہندوستان میں اصل حکومت بیوروکریٹ ہی چلاتے ہیں، چہرے تو صرف مہرے ہوتے ہیں جو وقت وقت پہ بدلتے رہتے ہیں، آر ایس ایس نے بیوروکریسی پہ اپنی پکڑ بنانے کیلئے بہت محنت کی ہے، ادارے اور انسٹیٹیوشنز قائم کئے، بہترین کوچنگ سینٹرز کی بنیاد رکھی، گراؤنڈ لیول پہ کام کیا، ہماری جمعتیوں یا جماعتوں کی طرح صرف ہوائی باتیں نہیں کیں، اور آج حال ایسا ہے کہ پولیس، بیوروکریسی اور عدلیہ غرضیکہ ہر جگہ انہیں کے افراد بیٹھے ہوئے ہیں، مسلمان کہتے ہی رہ گئے **"ان الحکم الا للّٰہ"** کہ صرف اللہ کا ہی حکم چلے گا، بقیہ اس کے سامنے کوئی بھی قانون کوئی بھی دستور نہیں مانا جائے گا، نتیجہ کے طور پہ مسلمانوں نے اپنے بچوں کو لاء (قانون) کی تعلیم دلائی ہی نہیں، یا جس نے تعلیم حاصل کی بھی، معاشرے نے اس کی بے اعتنائی کی، اب حالت یہ ہے کہ سپریم کورٹ، ہائی کورٹس یا دیگر نچلی سطح کے کورٹس میں مسلمان بطور جج بہت کم ہی دکھائی دیتے ہیں، مسلمانوں کیلئے اس سے زیادہ افسوس کی بات اور کیا ہوگی کہ ان کے خود کے پرسنل لاء کا کیس ایک غیر مسلم لڑتا ہے، مطلب تیس کروڑ مسلمان مل کے بھی ایک بہترین وکیل پروڈیوس کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کے پاس افراد نہیں ہیں، یا مسلمانوں کے بچے پڑھنے والے نہیں ہیں، مگر یہ ایک بہت ہی تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے جو پڑھنے والے بچے ہیں، یعنی جو محنت سے پڑھتے ہیں وہ

مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنے والے یا بالکل غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے ہیں، جن کے پاس اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ بہترین کوچنگ سینٹرز میں ایڈمیشن لے سکیں یا یو. پی، ایس، سی کی تیاری کے لئے کتابیں ہی خرید سکیں، اور پھر گھریلو اور معاشی ہر یشانیاں اتنی ہوتی ہیں کہ وہ چاہ کر بھی تیاری نہیں کر پاتے ہیں، حالانکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، اور زکوۃ فاؤنڈیشن وغیرہ ایسے بچوں کے لئے کافی مددگار ہیں، مگر پھر بھی یہ ناکافی ہیں، مسلمانوں کو مزید اسی طرز پہ کام کرنے کی ضرورت ہے، زکوۃ فاؤنڈیشن مشعل راہ ہے، اسی طرز پہ دیگر قسم کے انسٹیٹیوشنز قائم کرنے اور زکوۃ کے پیسے کو ایک بہتر مقصد کے حصول کیلئے استعمال کرنے کی ضرورت ہے، جو نہ صرف بیوروکریسی کے لئے تیاری کروائے، بلکہ جیوڈیشری، لاء، میڈیا اور دیگر چیزوں میں بھی اپنے افراد کے داخلے کیلئے کوشش کرے۔

جیوڈیشری یا لاء یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے، ورنہ سارے عہدوں پہ اگر سنگھ کے آدمی بیٹھیں گے تو شکایت نہیں ہونی چاہیئے، کیونکہ جب اپنے افراد نہیں ہوں گے تو کسی اور کے افراد خالی جگہ کو پر ہی کریں گے، اب چاہے وہ سنگھ آئیڈیالوجی کے ہوں یا لبرل۔

میڈیا ایک بہت بڑی طاقت ہے، گاؤں دیہات کے علاقوں میں ایک چھوٹے سے پترکار سے بھی پولیس کے افراد کے ڈرتے ہیں، اس میں اپنے افراد کو داخل کرنا بہت ضروری ہے، جامعہ ملیہ ماس کمیونیکیشن کے شعبے میں بہت اعلی درجہ پہ فائز ہے، مگر پریشانی یہ ہے کہ اس کا فیس اتنا ہائی ہے کہ ہم جیسے لوگ تو صرف خواب دیکھ سکتے ہیں، ایڈمیشن نہیں لے سکتے ہیں۔

مسلمان ہندوستان میں اگر ان پالیسی ساز اداروں پہ قابض ہو جائیں تو یقیناً مستقبل بڑا خوشگوار ہو سکتا ہے، ورنہ نوشتۂ دیوار تو پھر کچھ اور ہی ہوگا۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ میرے کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، بالکل سیاست میں رہیں اور قومی دھارے سے جڑ کر رہیں لیکن اپنے لئے کچھ Priorities (اولویات) اختیار کرلیں، ان اولویات میں سے سب سے اہم جیوڈیشری، بیوروکریسی اور پولیس وغیرہ کے محکموں میں اپنے افراد کو داخل کرانا ہے، یہ اہم اس وجہ سے ہیں کہ اسے خاموشی کے ساتھ اور فل پلاننگ کے ذریعہ کرنا ہے، جب کہ سیاست چیخ پکار اور بے ہنگم شور وغل کا نام ہے، اس میں ہر پانچ سال پہ تقدیریں بدل جاتیں ہیں جب کہ دیگر محکموں میں ایک مرتبہ داخلے کے بعد پھر ان سے الگ ہو پانا ریٹائرمنٹ کے ذریعہ ہی ممکن ہے، ہاں تبادلہ، ٹرانسفر یا کچھ دنوں کیلئے معطلی الگ بات ہے۔ ❍❖❍

بچوں کو اپنے قریب کیجیے!

مجود عالم بن عبدالخالق، کوروڈیہہ، بھاگلپوری

عربی کے چار کلمات پر مشتمل حیران کن نہایت قیمتی نصیحتیں گویا والدین کے بچوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی کلید ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں!

- اِقْتَرِبُوْا مِنْ اَبْنَاءِ کُمْ اپنے بچوں کے قریب رہا کرو!
- وَشَاوِرُوْهُمْ ان سے مشورے کیا کرو!
- وَحَاوِرُوْهُمْ تبادلہ خیال کیا کرو!
- وَاکْسِبُوْهُمْ ان کے دل جیت لو!
- قَبْلَ ان تخسروهم قبل اس کے کہ تم انہیں ہمیشہ کیلئے کھودو!

والدین کی سب سے بڑی ذمے داری بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت ہوتی ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا دور ہوتا ہے۔

اس وقت بچے بڑوں کے رحم وکرم کے محتاج ہوتے ہیں۔ بچے انہی کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انہیں اپنے قریب رکھتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں۔

بہترین تربیت جو قربت وانسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے ہرگز نہیں۔

سیرت النبی ﷺ میں بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا جائزہ لیں تو آپ ﷺ بہترین مربی اور بچوں پر رحم کرنے والے نظر آئیں گے۔

آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ نرمی، محبت، عاطفت، الفت کا درس نہ صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ دیا، بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا۔

آپ ﷺ نے بچوں کے بچپنے کا ہر لحاظ سے خیال رکھا۔ اپنی تمام تر رفعت شان کے باوجود ان کے ساتھ کھیلے بھی۔ اپنے پیارے نواسوں سے آپ ﷺ کی محبت وشفقت کے کئی واقعات ہم سنتے پڑھتے رہتے ہیں کہ کیسے وہ عین نماز کی حالت میں بھی لاڈ سے آپ ﷺ پر سوار ہوجاتے تھے اور آپ ﷺ ناراض تو کیا ہوتے، ان کیلئے سجدے کو طویل فرمالیتے۔

ایک بار آپ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چوم رہے تھے، ایک دیہاتی نے اعتراض کرتے ہوئے گویا حیرت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا تو میں کیا کرسکتا ہوں! ایسے ہی موقع پر جب ایک اور صحابی نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

مسلمان تو مسلمان، حضور ﷺ نے تو کفار کے بچوں کے ساتھ بھی نرمی کی تلقین فرمائی۔ ایک یہودی کا لڑکا آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا، وہ ایک دفعہ بیمار ہوگیا، آپ ﷺ نے از خود تشریف لے جا کر اس کی عیادت فرمائی۔ اس بچے کے سرہانے بیٹھے، پھر اس بچے سے فرمایا: اسلام قبول کرو، اس بچے نے اپنے والد پر نظر ڈالی۔ والد نے بھی کہا: ابوالقاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو، لہٰذا وہ بچہ مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے نکلے: ''تمام تعریفیں اسی اللہ کیلئے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔''

آج اس اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہم اپنے سلوک کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کفار اور غیر کے بچے تو الگ، ہم اپنے بچوں، اپنے خون کے ساتھ کیسا بیگانے کا سا سلوک کرتے ہیں؟

باپ کی درشت مزاجی کی وجہ سے بچہ پڑوسی انکل کے زیادہ قریب، باپ سے دور ہوتا ہے۔ بات بات پہ مارنا، چلانا، برا بھلا کہنا بچوں کو نہ صرف ڈھیٹ بنا دیتا ہے بلکہ ان کو ماں باپ سے دور بھی کر دیتا ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ بچے اس جذباتی خلا کو باہر والوں سے پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باہر پھرتے سفاک درندے ایسے ہی معصوموں کا شکار کرنے گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ سو وہ انہیں جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر ان کا جذباتی وجنسی استحصال تک کر بیٹھتے ہیں۔

گھر میں خود بچے سے متعلق امور میں بھی اس سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا، نہ اس سے رائے لی جاتی ہے اور نہ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہر وقت، ہر بات میں بس اپنی مرضی چلائی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ والدین اور بچوں کے درمیان ایک ایسی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہونے لگتی ہے کہ پھر بچہ کسی جذباتی کشمکش کا شکار ہو جائے، اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے لگے تو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بات والدین سے شیئر نہیں کر پاتا، اور یوں یہ صورت حال کبھی خدانخواستہ ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رکھیے! انگلی پکڑ کر چلانے والے ہاتھ جب ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر جانے کون کون انگلیاں پکڑتا ہے اور کس کس سمت لے جاتا ہے۔ اس لئے مستقبل کے ان ہونہار نونہالوں کو اپنے سے قریب کیجیے، ان سے مشورے کیجیے، انہیں اہمیت کا احساس دلائیے، ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیجیے! ○ ❖ ○

عصری علوم

نثار احمد قاسمی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

جدید تعلیم اور ہماری بے حسی!!

مابعد نو آبادیات کا ہندوستانی نظام ان تمام عناصر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جن سے ایک منظم اور مستحکم معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے، یہاں بسنے والی قوموں نے اس سے استفادہ کی کامیاب کوشش بھی کی ہے، قوموں کے عروج کا عہد ہوتا ہے جب اس کے تشکیلی نظام میں دیگر فنون کے ساتھ ساتھ علم پر سب سے زیادہ زور ہوتا ہے۔

پتھر کے زمانے کی بات کریں جب انسان لکھنے اور پڑھنے سے بے بہرہ تھا اس وقت بھی امارت اسی کے سپرد ہوتی تھی جو کسی بھی درجے میں دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا، اور جب حضرت انسان کو حروف سے آشنائی ہوئی تب وہ لوگ قوم کے سردار ٹھہرے جنہیں بزور قلم لوگوں کو زیر کرنا آتا تھا۔

ماقبل نو آبادیات کو ہم کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے، کچھ ان سے شہہ پا کر اور کچھ مغرب سے وارد ہونے والی قوم نے یہاں کے تعلیمی نظام میں جو تبدیلیاں پیدا کیں وہ وہ بہر صورت قابل ذکر ہیں۔

اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی تک کا عہد تعلیمی اعتبار سے بڑی کشمکش کا عہد ہے، جہاں ہندوؤں میں روایتی تعلیم کا رواج تھا وہیں مسلمان بھی اپنی اپنی تہذیب وتمدن سے ہٹ کر جدید تعلیمی نظام کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے، تعلیمی اعتبار سے یہ بڑی کشمکش کا دور تھا، شاید حالات اس بات کا متقاضی تھا کہ جدید تعلیمی نظام کی مخالفت ہر اہل کر رہا تھا، ہوسکتا ہے اس وقت کے لحاظ سے یہ صحیح فیصلہ ہو، اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ چیزوں کو اسی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، اور اس لحاظ سے شاید یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی، حالات بدلے، رفتہ رفتہ تعلیمی پیش رفتگی کے کچھ آثار نظر آئے، یہ رفتار بہت سست تھی، جس کی اور ہمارے ارباب کی نظر شاید کم ہی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ وقت میں مسلمانوں میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے، ایک رپورٹ کے مطابق تین فیصد مسلم بچے مدارس کا رخ کرتے ہیں، اور تقریباً بیس فیصد مسلم بچے اسکول اور جدید درسگاہوں میں داخلہ لیتے ہیں، جن میں سے آٹھ یا نو فیصد طلباء ہی انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور کچھ بچتے بچاتے اعلیٰ تعلیم گاہوں کا رخ کرتے ہیں جن کی تعداد پانچ فیصد کے آس پاس ہوتی ہے، جو مسلمانوں کی تعداد کے حساب سے نمک میں آٹے کے برابر ہے۔

جب سن شعور کو بھی نہیں پہنچا تھا تب سے سنتا آیا ہوں کہ تعلیم انسان کا زیور ہے، اس سے انسان کی شخصیت سنورتی ہے، بھلے اور برے کی تمیز ہوتی ہے، لیکن موجودہ عہد میں تعلیم سے سجنے سنورنے والی بات بہت زیادہ با

معنیٰ نہیں ہے، میں اپنے محدود تجربے کے باوجود نہایت ہی ہوش و ہواس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ تعلیم زندگی کی روح بن چکی ہے، تعلیم کے بنا انسان ادھورا ہے، تعلیم کے بغیر زندگی ادھوری ہے، اکیسویں صدی میں علم سے بے بہروی کی وجہ سے بے پناہ مسائل پیدا ہونگے، اگر آپ کو وہ مسائل نہیں دکھ رہے ہیں تو پھر آپ کی آنکھیں بہت دور تک دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں، اور اگر مسائل درپیش ہیں پھر تعلیم کی اور پیش رفت نہیں کر رہے ہیں تو آپ شتر مرغ کی راہ پر ہیں، طوفان کی آمد سے پیشتر پہاڑی ٹیلہ تعمیر کر لیجئے، ریت کے بھروسے مت رہئے، لمحوں میں طوفان آپ کو صحرا نورد کر دیگا، خدارا تنکہ کے سہارے سمندر عبور کرنے کی کوشش مت کیجئے، نہ ہی آپ میں تیرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی سمندر کی طوفانی لہریں آپ پر رحم کھائیں گی۔

حالات کا تقاضا یہ ہے کہ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی نونہالوں کو آشنا کرایا جائے، کوشش ہو کہ خوف خداوندی اور اطاعت رسول کے ساتھ ساتھ طلباء کو جدید تعلیم اور ٹکنالوجی کا ماہر بھی بنایا جائے، انسانی زندگی کا انحصار جس طرح سے مشینی آلات پر ہوتا جا رہا ہے وہ کسی بھی بالغ النظر سے پوشیدہ نہیں ہے، سائنس اور مشینی آلات کبھی بھی ہم سے اچھوا نہیں رہا، بس ہم نے ان سے صرف نظر کر لیا، کیا آپ کو پتہ ہے کہ ابن رشد، ابن سینا، جابر ابن حیان، الخوارزمی، الفارابی، البیرونی اور ابن سینا جیسے نامور سائنسدان نے اسی قوم میں جنم لیا؟ جنہوں نے ابتدائی سائنسی نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے، جن کی بنیاد پر بہت سے سائنسی آلات عالم وقوع میں آموجود ہوئے، اگر یہ سب جانتے ہوئے بھی آپ ان علوم کے حصول کو لاحاصل گردانتے ہیں اور اس سے صرف نظر کرتے ہیں تو پھر آپ ملت کے خیر خواہ نہیں ہیں۔

اس توضیح سے قطع نظر کہ علم کی ماہیت کیا ہے؟ علم کی نوعیت کیا ہونی چاہیے، علم کب تک علم کے زمرے میں رہتا ہے اور کب اس سے خارج ہو کر فن ہو جاتا ہے، پہلے اس سمت قدم تو بڑھائیے، پھر امکان کے دروازے کھلتے ہی چلے جائیں گے، ہماری تہذیب جسکا ایک شاندار ماضی ہے، پھر سے اپنے آپ کو دہرا سکے گی، دین و دنیا میں سرخروئی کے لئے عمل کے ساتھ ساتھ حصول علم ہی کامیابی کی ضمانت ہے، تب آپ کے اندر فکر و عمل کی قوت پیدا ہوگی، اور آپ کی عظمت کو زوال بھی نہیں آئیگا۔

آج بھی آپ کی تہذیب آپ کے شاندار ماضی کی دوہائی دے رہی ہے، اس پر کان دھریئے اور قوم کی ڈگمگاتی نیا کا کھیون ہار بنئے، اور ملت کا بیڑہ پار لگائیے، ورنہ آنے والی نسلیں آپ سے سوال کریں گی جس کے جواب میں آپ ندامت سے سر جھکا لیں گے اور وہ آپ کی بدترین شکست ہوگی۔

❍❖❍

2017ء میں پیش آئے اہم واقعات!

سلیم شوق پورنوی

اگر یہ کہا جائے کہ سال رواں ہندوستانی عوام کے لیے سیاسی شعبدہ بازیوں میں پھنسائے جانے اور سیاسی مداریوں کے لیے سیاسی بندر نچانے کا سال رہا تو اس میں نہ کوئی مبالغہ اور نا ہی جھوٹ۔

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ سال 2017 مختلف طبقات کیلئے مختلف حیثیت کا حامل رہا، سیاسی جماعتوں کیلئے ووٹ بینکنگ، تاجروں کیلئے خسارے، کسانوں کے لیے جانی و مالی نقصان، ٹی وی چینلز کیلئے ٹی آر پی، اینکروں اور صحافیوں کیلئے ڈر و خوف، اقلیتوں کیلئے مایوسی، امت شاہ کے بیٹے جے شاہ کیلئے نفع اور گئو رکشک غنڈوں کے لیے غنڈہ گردی کا سال رہا۔

سال رواں کا آغاز لائنوں میں لگے غریب عوام کی اموات سے ہوا، اس کے بعد انہی گھسے پٹے بیجا سوالات بلکہ الزامات و اتہامات کو لے کر سال رواں کا کارواں آگے بڑھا جو کہ کئی سالوں سے مسلسل کئے جا رہے ہیں، اور کیے کیا جا رہے ہیں؟ بس ہندوستانی مسلمانوں کے سر زبردستی ڈالے جا رہے ہیں، کہ قومی ترانہ کے نام پر مسلمان شرکیہ کلمات کیوں نہیں کہتے؟ اس کا مطلب ہے شرکیہ الفاظ نہ کہنے والا ہر بھارتی پاکستانی ہے، کم از کم پکا ہندوستانی تو نہیں ہے۔

دیش بھکتی کے سرٹیفکٹ بانٹنے والے چند سیاسی مداریوں اور گودی اینکروں نے ٹی وی شوز پر ''ترانہ'' کے نام وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ سنجیدہ سیکولر عوام بھی چکرا گئے، اور اپنے برادران وطن پر شک کرنے لگے۔

ابھی اس پر سوال و جواب ہو ہی رہے تھے کہ یکا یک ''طلاق ثلاثہ'' کے نام سے بی جے پی سرکار کی بوتل کا جن باہر آیا، اس نے بھی کافی لوگوں کے دماغ خراب کئے، تا آں کہ یو پی الیکشن کا بھوت لوگوں کے اعصاب پر سوار ہوا، اس نے بھی اپنی بساط کے مطابق ہر سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو پریشان کئے رکھا یہاں تک کہ رام مندر کی بلی تھیلے سے باہر آ گئی، اس نے جو ہڑ کمپ مچایا وہ کچھ اور ہی کیفیت کا تھا، پھر اس کے پردے کے پیچھے سے کئی بنئے سامنے آئے جن میں وسیم رضوی اور شری شری روی کے چہرے بھی دکھے۔

پھر یکا یک'' گئو رکشا'' کے نام پر انسانی شکل میں کچھ درندے جنگل سے سڑکوں پر نکل آئے انہوں نے اقلیتوں کا خوب خون پیا اور ابھی تک پی رہے ہیں، انہوں نے جمہوریت کا گلہ اتنا کس کر گھونٹا کہ سیکولر

عوام بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔ابھی تھیلی سے بلی اور بوتل سے جن نکلنے کا سلسلہ جاری تھا کہ یک بیک روحانی بابا کی صورت میں ایک بھیڑیا دبوچ لیا گیا، جس کے بدلے میں کئی بے گناہ مارے گئے، کئی صحافیوں کی گاڑیاں جلادی گئیں اور بیچاری کچھ پولس بھی ماری گئیں۔

ابھی ان تمام ایشوز پر بحث ومباحثے چل ہی رہے تھے کہ گورکھپور کے بی آر ڈی ہسپتال سے 80 معصوم بچوں کی لاشوں کا دھواں اٹھا جس کے حبس وگھٹن نے بہت سے سنجیدہ لوگوں کو اپنے لپیٹ میں لے لیا، پھر اس کے چند دن بعد ہی مدھیہ پردیش سے یہ خبر آئی کہ ہسپتال میں کئی مرداروں کے نصف سے زائد جسموں کو کتوں نے کھالیا اور ڈاکٹروں کو پتا ہی نہیں چلا کہ وہ زندہ ہیں یا مردہ۔

ابھی یہ آگ پوری طرح بجھی بھی نہیں تھی کہ ایم پی سے ایک اور دل دہلانے والی خبر آئی کہ اشوک چوہان کے کتوں نے اپنے حقوق کی مانگ کرتے کسانوں کو بری طرح کاٹ لیا جس کی وجہ سے کئی لوگ جاں بحق بھی ہوگئے، ابھی یہ سب خبریں چل رہی تھیں اور رونے والے رو ہی رہے تھے آنسو خشک بھی نہیں ہوا تھا کہ ہٹلر کے نام سے شہرت پانے والے ہمارے ملک کے وزیراعظم نے ہٹلرانہ فیصلہ کردیا جواب جی ایس ٹی کے نام سے لوگوں کو خون رلا رہا ہے۔

اسی بیچ کانوں نے یہ بھی سنا کہ امت شاہ کے بیٹے جئے ساہ کی کمپنی نے پچاس ہزار سے 80 کروڑ روپے کما لئے، اس پر بحث ہونی تھی، سوال اٹھائے جانے تھے؛ مگر گودی میڈیا نے عوام کو اس پر سے توجہ ہٹانے کیلئے امرناتھ یاترا کی جانب بحث کا رخ موڑ دیا پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، مسیحا رہزن ٹھہرایا گیا، کئی ہندوؤں کی جانیں بچانے والے ڈرائیور سلیم پر ہی شک کی سوئی گھومنے لگی جیسا کہ پہلے دانستہ ڈاکٹر کفیل پر گھمائی گئی تھی۔

ہندوستانی سیاست اور گردو پیش کے احوال سے واقف کوئی بھی شخص یہی کہے گا کہ سال رواں ہندوستانی عوام اور بالخصوص اقلیتوں کے لیے انتہائی مایوس کن رہا۔

آغاز جنوری 2017 تا دسمبر تک ہندوستانی مزدور، اور درمیانی طبقے کے لوگ دکھ، بھوک، کرب، بے چینی، قتل و غارت گری اور ماب لنچنگ جیسے حادثات کی لپیٹ میں ہیں۔

کہنے کو تو سال رواں رواں دواں ہے اور کچھ ہی دنوں میں اپنا چکر پورا کرکے اپنی ڈیوٹی مکمل بھی کرلے گا، مگر اس کے دامن پر جو داغ ہیں یا یوں کہہ لیجئے اس کی پیشانی پر میں نحوسیت کی جو نشانیاں ہیں وہ بہت جلدی بھلائی نہیں جاسکے گی۔

بی جے پی حکومت کے بھی تین سال مکمل ہوگئے ؛مگر جہاں ایک طرف عوام لائنوں میں لگ کر اپنی جان گنواتے رہے وہیں دوسری طرف ہندوستانی حکومت ووٹ بینک بڑھاتی رہی، ایک طرف قتل وغارت گری کا بازار گرم رہا تو دوسری طرف این ڈی اے کانگریس مکت بھارت کا ایجنڈا تیار کرتی رہی، اور کانگریس ودیگر ملکی اور صوبائی سطح کی سیاسی پارٹیاں اپنی روٹیاں سینکتی رہیں۔ لائنوں میں کھڑے مفلوک الحال عوام کی کمریں ٹوٹتی رہیں، بچے اسپتالوں میں سہولیات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے مرتے رہے، کسان اپنی محنت کی کمائی مانگتے مانگتے موت کے گلے لگتے رہے، بے قصور مسلم نوجوان انسانی بھیڑیوں کے پنجہ استبداد میں پھنستے رہے، عمر خان، پہلوخان، جنید خان اور افرازل کے پریوار خون کے آنسو روتے رہے اور ہندوستانی میڈیا ٹی آر پی بڑھاتا رہا۔

سال رواں (2017) کے آغاز سے تا ہنوز اب تک جتنے موضوعات پر بحث ومباحثے کرائے گئے،

اور جتنے مسائل پر سیاسی وسماجی مبصرین نے اظہار خیال کیا ہے ان میں سے اکثر مسائل کی گتھیاں بظاہر سلگنا ناممکن سا ہے، وجہ یہ ہے کہ ان مسائل اور ایشوز پر ہی بہت سی سیاسی جماعتوں کے سیاسی محل قائم ہیں، اور ٹی وی چینلز کی ٹی آر پی کی بنیادیں بھی۔

ویسے امسال بہت سے ایشوز پر بحث ومباحثے ہوئے، ان میں کچھ بحثیں تو بہت ضروری تھیں، ضروری بحثوں پر بات جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی تو نہ ہوسکی مگر اس کی جگہوں پر گائے کے گوبر و پیشاب پر خوب جم کر ڈبیٹس کیے گئے۔

تین طلاق، بابری مسجد رام مندر، گئو رکشا، قومی ترانہ کے پڑھنے نہ پڑھنے وغیرہ وغیرہ پر بھی خوب بحثیں کرائی گئیں، گودی اینکروں کے چیختے چیختے گلے پھٹ گئے، ہندوستانی عوام کے سنتے سنتے کان سن ہوگیے، مبصرین وباحثین کے بولتے بولتے آنتے سوکھ گئے ؛مگر جن موضوعات پر بحث ہونی چاہئے تھیں اور خوب ہونی چاہیئے تھیں ان پر بحث نہ ہونے کے برابر ہوئی بعض ٹی وی چینلز نے بحث کرائی بھی تو ان کی آواز نقار جانے میں طوطے آواز ثابت ہوئی، گورکھپور کے معصوم بچوں کی اموات، مدھیہ پردیش کے ہسپتال کی لاشوں کو کتوں کے کھانے کے حادثات، نوٹ بندی سے 100 سے زائد بے گناہوں کے بینکوں کی لائنوں میں کھڑے کھڑے جانیں دینے کی سانحات، جی ایس ٹی سے تاجروں کے کاروبار ٹھپ کردیئے جانے کے واقعات، ہندو بنارس یونیورسٹی میں پیش آئے حادثات، بے گناہ مسلمانوں کے قتل وغیرہ ان پر بحث ہونی چاہئے تھیں، ان پر یا تو بحث ہوئی نہیں یا ہوئی بھی تو نا کے برابر، وجہ صاف ظاہر ہے۔

سرزمین فلسطین کی وراثت امت مسلمہ کیلئے ہے!

مفتی ابوذر قاسمی

فلسطین مقدس اور قابل تعظیم شہر ہے، پہلا قابل احترام شہر مکہ ہے، دوسرا مدینہ اور تیسرا فلسطین ہے، اسی مقدس شہر میں اللہ کا مقدس گھر مسجد اقصیٰ ہے، مسجد اقصیٰ ان مساجد میں سے ایک ہے جن کی زیارت کیلئے سفر کرنا باعث ثواب ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صرف تین مساجد ایسی ہیں جن کا سفر کیا جا سکتا ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ''۔ (مسلم)

مسجد حرام اور مسجد نبوی کو چھوڑ کر مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسرے مساجد کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسجد حرام اور مسجد نبوی کو چھوڑ کر مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کے مقابلے میں پانچ سو نماز کے برابر ثواب ہے۔ (ابن ماجہ)

مسجد اقصیٰ کے علاوہ سرزمین فلسطین میں کو انبیاءؑ کا مولد، مسکن اور مقبرہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، قرآن پاک میں اس کے مقدس، متبرک اور مشرف ہونے کا کئی مقامات پر ذکر ہے، اس کے بابرکت ہونے کی جگہ جگہ تعریف کی ہے۔

یہ سرزمین اسراء ومعراج کی سرزمین ہے، یہاں پر رسول ﷺ کا معراج کے موقع پر زمینی سفر ختم ہوا اور آسمانی سفر کا آغاز ہوا، اسی مقام پر نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء سے ملاقات کی اور مسجد اقصیٰ میں جملہ انبیاء کی امامت بھی کی، تو امام الانبیاء کے لقب سے سرفراز ہوئے اور امامت کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل سے دنیاوی اور دینی قیادت کا خاتمہ ہوگیا اور قیادت آل اسمعیل کی طرف منتقل ہورہی ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کو عقیدت ہے کیوں کہ قبلہ اول رہی ہے، نماز کی فرضیت کے بعد جناب نبی کریم ﷺ اور مسلمان سولہ یا سترہ مہینے تک اس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرتے رہے پھر خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے، آج بھی وہ تاریخی مقام مدینہ منورہ میں موجود ہے جسے قبلتین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قبلہ اول مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید کی اور تعمیری کام کو پائے تکمیل تک پہنچایا، ان کا نظم ونسق اور انتظام وانصرام انہیں کے ہاتھوں میں رہا۔ پھر ان کے متبعین یہود، بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں آیا، جو اس متبرک ومقدس سرزمین پر اللہ کی بے شمار نعمتوں سے

مستفید ہوکر القدس کی نگرانی کرتے رہے؛لیکن بنی اسرائیل ایک عیار، مکاراوراحسان فراموش قوم ہے،اللہ نے اس مقدس سرزمین کونعمتوں سے مالا مال کردیا،اس کے پیداوار میں تنوع اورآب وہوا کوخوشگوار بنایا،اس کے باوجودانہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، رسولوں کی باتوں کونہیں مانا،توریت کےاحکام کوجھٹلایا تو مسجد اقصیٰ کی تولیت سے بھی دست بردار ہونا پڑا، جلاوطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی جس کا ذکراللہ نے سورہ بنی اسرائیل میں کیا ہےاورہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کوصاف صاف آگاہ کردیا تھا کہ تم ضرورزمین میں دومرتبہ فساد برپا کروگے،اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کروگے،تو جب دونوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا،تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے کومسلط کردیا جوسخت جنگ جو تھے،تو وہ شہروں کے اندر گھس کر پھیل گئے اور یہ ایک وعدہ تھا جو پورا ہوکر رہنا ہی تھا۔

اسی کے مطابق ظالم مجوسی بادشاہ بخت نصر کومسلط کردیا گیا، جس نے یہود کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، مسجد اقصیٰ اور ہیکل سلیمانی کواس طرح پیوند خاک کردیا کہ اس کی ایک دیوار بھی باقی نہیں رہی، وہاں بسنے والے یہودیوں کوان کے علاقہ سے نکال کرتتربتر کردیا، جولوگ رہ گئے وہ بھی ہمسایہ قوموں سے ذلیل ورسوا ہوتے رہے، پھربنی اسرائیل کوہوش آیا تواپنے کرتوت پرتائب ہوئے، ندامت کے آنسو بہائے، توبہ واستغفار کئے تو اللہ نے ان کی عزت بحال کردی، حکومیت سے پھر حاکم بنادیا اور ہرطرف سے ان کی مددفرمائی،سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے''تو ہم پھران پرتمہارغلبہ کردیں گے، مال اور بیٹوں سے تمہاری مددکریں گے،ہم تمہاری جماعت کو بڑھادیں گے۔(بنی اسرائیل)

جب یہودفلسطین لوٹ آئے، آزادی کے سایہ میں سانس لینے لگے، طاقت وقوت جم گئی تو پھراس مقدس سرزمیں میں فساد مچانے لگے، اللہ کے نبیوں کوقتل کرنے لگے، حضرت عیسیٰؑ کوسولی پر چڑھانے کا ناپاک دعویٰ کرنے لگےتو اللہ نے ان پرشاہ روم قیصرکومسلط کردیا، ارشادربانی ہے! اگرتم نے اچھے کام کئےتو خوداپنے فائدہ کیلئے، اگرتم نے برائیاں کی تو بھی اپنے لئے، پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے بندوں کوبھیج دیا، تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑدیں اورپہلی دفعہ کی طرح پھراس مسجد میں گھس جائیں اورجس چیز پرقابو پائیں توڑ پھوڑدیں اورجڑسے اکھاڑدیں، یقیناً تمہارارب تم پررحم کرے گا،لیکن اگرتم پھر ویسا ہی کرنے لگےتو ہم بھی ویسا ہی کریں گے۔(بنی اسرائیل)

شاہ روم نے ان لوگوں سے بری وبحری دونوں راستوں سے جنگ کی، بہت سےلوگوں کوقتل کیااوبہت سے لوگ قید کرلیے گئے، نیز بیت المقدس کے سازوسامان اٹھا کرلے گئے، پھرایک مرتبہ ارض فلسطین ویران ہوگئی۔

وہاں کی آبادیاں ویران تھیں، مسجد اقصیٰ زمین بوس تھی، یہود بے حال تھے، فلسطین کی سرزمین راہ تک رہی تھی، بیت المقدس اپنے لوگوں کو آواز دے رہی تھی تو مسلمانوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بیت المقدس کو آزاد کرالیا گیا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس وقت فلسطین کی سر زمین پر کوئی یہودی نہیں تھا، فتحیابی کے بعد بیت المقدس کی کنجی حوالہ کرنے کی بات آئی تو بادشاہ وقت نے اس کی کنجی عامۃ المسلمین کو دینے سے انکار کردیا، اور خلیفۂ وقت کو بلایا گیا، خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ فلسطین تشریف لائے، شکست خوردہ بادشاہ نے مفتاح القدس (قدس کی کنجی) خلیفۂ وقت کو پیش کرتے ہوئے یہ کہا یہاں یہودی آباد نہیں ہوں گے۔ یہ معاہدہ آج بھی حضرت عمرؓ کے معاہدہ کے نام سے محفوظ ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا احترام ہوتا رہا اور اس پر عمل کیا جاتا رہا۔ کیوں کہ خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم ہے، لیکن مسلمانوں کی کمزوری اور لاپرواہی سے اس سرزمین میں یہودی رفتہ رفتہ داخل ہوگئے اور شہر مقدس میں فساد مچاتے رہے۔ مسجد کے اندر ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا اور اپنی حکومت قائم کرلی۔ 90 سال یہ شہر ان کے ہاتھوں میں رہا، یہانتک کہ 1177ء میں مسلم فاتح صلاح الدین ایوبی نے ان کو مار بھگایا، اس طرح بیت المقدس اور شہر مقدس پھر مسلمانوں کی نگرانی میں آ گیا۔

پھر یہودی اس وقت سامنے آئے جب دولت عثمانیہ اپنے بڑھاپے کی زندگی بسر کررہی تھی، کمزور ونا تواں تھی۔ سلطان عبدالحمید کا زمانہ تھا؛ لیکن یہودیوں کو فلسطین کے داخلہ کے سلسلہ میں موقف سخت تھا، انہیں فلسطین میں داخلہ ہونے کی اجازت نہیں تھی، دیگر لوگوں کی کوشش بھی ناکام رہی؛ حتیٰ کہ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ یہودیوں کو فلسطین میں رہنے کی بالکل اجازت نہیں، وہاں کے گورنر کو بھی اس سلسلہ میں سخت رویہ اختیار کرنے کو کہا، جب کہ ان ملکوں کے سفارت خانوں کو دستاویز ارسال کیا جس میں ناراضگی اور برانگیختی کا اظہار کیا گیا۔ جو یہودیوں کو شہر مقدس میں داخل ہونے پر تعاون کررہے تھے۔ گویا سلطان عبدالحمید کا موقف برطانیہ، یہود اور دیگر دشمنان اسلام کے خلاف نہایت ہی سخت تھا۔ ایک سازش کے تحت ان لوگوں نے ترکی سلطنت اور سلطان عبدالحمید کے تخت کو پلٹ دیا اور سلطنت پر قابض ہوگئے، اپنے ہمنوا اور مشیر کو تخت پر بیٹھادیا، عبدالحمید کا تخت پلٹنا تھا کہ مسلمانوں کے زوال میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، ہلاکت کے دلدل میں پھنستے چلے گئے، ناکامی کے کھائی میں گرتے چلے گئے اور آج بھی یہی صورتحال ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ ادھر یہود کے داخلہ پر لگی پابندی کے بورڈ کو اکھاڑ پھینکا اور شہر مقدس میں آکر مستقل سکونت اختیار کرلی، اسلام دشمن امریکہ کی مدد سے مسلمانوں پر ظلم وبربریت کے دہانے کھول دیئے اور ارض فلسطین کے سلسلہ میں بے

بنیاد وراثت کا دعویٰ کرنے لگے، مذہبی علامت ہیکل سلیمانی کے جستجو میں بیت المقدس کے چہار جانب کھدائی کردی، جس سے خطرہ ہے کہ مسجد اقصیٰ زمیں بوس ہوجائے، نیز مسلمانوں پر مسجد اقصیٰ میں داخلہ کو اختیار کو ختم کردیا، بلکہ پابندی عائد کردی گئی اور بے بنیاد دعویٰ شروع کردیا کہ ارض فلسطین اور مسجد اقصیٰ کے وارث ہم ہیں؛ کیوں کہ ہم نبی کے اولاد میں سے ہیں، ہمیں تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔

لیکن ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور لغو ہے، چونکہ اولاد نبی سے حق میراث ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک نبی کے طور طریقہ کو نہ اپنائیں اور اسے زندگی میں نہ لائیں؛ بلکہ نبی کے متبعین اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ رسول ﷺ کی حدیث ہے: ''ہم موسیٰ کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔'' (مسند احمد) اس کی تائید قران س بھی ہوتی ہے۔ قرآن میں اللہ کا حکم ہے۔ ''ابراہیم سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے۔'' (آل عمران)

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امامت مورثی چیز نہیں اور ظالمین اللہ کی امانت کے مستحق نہیں، بلکہ امامت عمل سے ملتی ہے نہ کہ حسب ونسب سے۔ حدیث نبوی ہے: ''جس کا کام اسے پیچھے کردے نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔'' (مسلم)

جب حضرت موسیٰ نے اسی ارض مقدس فلسطین میں داخل ہونے کو اپنی قوم سے کہا تو یہودی بغلیں جھانکنے لگے اور جانے سے انکار کردیا۔ قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔: ''اے قوم کے لوگو اس سرزمین مقدس میں داخل ہوجاؤ۔'' (المائدہ) لیکن انہوں نے نافرمانی کی اور داخل ہونے سے انکار کردیا۔ تو حق میراث کا دعویٰ کیسا؟ ان لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی، نبیوں کو قتل کیا، بعض کو قید خانہ میں مقید کردیا، بعض کو ملک بدر کیا، میثاق کو توڑ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھوگے، زکوٰۃ ادا کرتے رہوگے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہوگے اور ان کی مدد کرتے رہوگے۔'' (المائدہ) لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا فلسطین کی سرزمین اگر یہود کیلئے مختص تھی تو اس شرط کے ساتھ جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ خدا کی تعلیمات نافذ کرتے، عہد پورا کرتے، اوامر ونواہی بجالاتے لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو حق میراث کا دعویٰ کیسا؟ اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ لوگوں کے ساتھ نسب کی بنیاد پر نہیں اعمال کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تمہارے صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل کو دیکھتا ہے۔'' قرآن کا اصول یہ ہے کہ زمین کی نگہبان اور وارث اللہ کے نیک اور خاص بندے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کسی سے ان کے نسب

اور جنس کی بنیاد پر معاملہ نہیں کرتا ہے بلکہ ان کے ایمان، اعمال اور تقویٰ کی بنیاد پر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :''یقیناً تمہاری قدر و قیمت اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بنیا پر ہے۔'' (الحجرات) دوسری جگہ ہے''ہم نے زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ میرے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے''۔(الانبیاء)

اس آیت سے واضح ہے کہ ارض فلسطین اور بیت المقدس میں یہود کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی، انہیں تکلیف پہنچائی اور ملک بدر کر کے ان پر ظلم کیا۔ اور ظالم لوگ اللہ کی امانت کے وارث نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اللہ کا طریقہ ہے کہ ظالم لوگ سے لے کر نیک لوگوں کو دے دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:'' کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کر دیں گے اور ان کے بعد ہم تمہیں اس زمین میں بسائیں گے۔ یہ ہے ان کیلئے جو میرے سامنے کھڑے ہوئے کا ڈر رکھیں اور میری وعید سے خوف زدہ ہوں۔'' (ابراہیم)

اس لحاظ سے امت مسلمہ ہی اس سرزمین کے حقدار ہیں۔ کیوں کہ یہی انبیائے کرام کے روحانی وارث اور تابعدار ہیں۔ صدیوں اس کے مالک رہے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے ان پر غاصبانہ تسلط اور ناجائزہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اس پاک سرزمین پر ایک الگ ملک اسرائیل کے نام سے بنا کر اور بھی ظلم کیا ہے۔ حد تو یہ ہوگئی کہ امریکہ کے پالیسی اختیار کر کے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کا دہانا کھول رکھا ہے، نیز یروشلم کو اسرائیلی دارالسلطنت کہہ کر امت مسلمہ کے زخم پر نمک چھڑکنے کا کام کیا ہے، حالانکہ بیت المقدس کی بے حرمتی ان کا شیوہ بن چکا ہے اور اس کے اختیارات کو فلسطینی مسلمانوں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اسلامی شعار کو ختم کر دیا ہے۔ لیکن فلسطین کے نہتے مسلمان ان کے توپوں اور ٹینکوں کے سایہ میں بھی انہیں لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو فلسطینی مسلمانوں پر فخر کرنا چاہئے کہ انہوں نے اپنے دل سے خوف نکال کر سر اونچا کر رکھا ہے۔ چونکہ مسئلہ بیت المقدس صرف فسلطینیوں کا مسئلہ نہیں اگر چہ وہ زیادہ حقدار ہیں یا صرف عربوں کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا ہے۔ مسجد اقصیٰ پھر سے آزاد ہونے کے لئے آواز دے رہی ہے۔

یہودیوں کا زوال تو مقدر ہے، ذلت و رسوائی اس کی چادر ہے۔ انشاء اللہ ارض مقدس اور مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور ظالم لوگ اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

❍❖❍

حلال کی کمائی کی برکت!

مجیب منصور

ملا احمد جیون ہندوستان کے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے، اورنگ زیب اپنے استاد کا بہت احترام کرتے تھے، اور استاد بھی اپنے شاگرد پر فخر کرتے تھے، جب اورنگ زیب ہندوستان کے بادشاہ بنے تو انہوں نے اپنے غلام کے ذریعے استاد کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی دن دہلی تشریف لائیں اور خدمت کا موقع دیں، اتفاق سے وہ رمضان کا مہینہ تھا اور مدرسہ کے طالب علموں کو بھی چھٹیاں تھی؛ چنانچہ انہوں نے دہلی کا رُخ کیا، استاد اور شاگرد کی ملاقات عصر کی نماز کے بعد دہلی کی جامع مسجد میں ہوئی، استاد کو اپنے ساتھ لے کر اورنگ زیب شاہی قلعے کی طرف چل پڑے، رمضان کا سارا مہینہ اورنگ زیب اور استاد نے اکھٹے گزارا، عید کی نماز اکھٹے ادا کرنے کے بعد ملا جیون نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا، بادشاہ نے جیب سے ایک چونی نکال کر اپنے استاد کو پیش کی، استاد نے بڑی خوشی سے نذرانہ قبول کیا اور گھر کی طرف چل پڑے، اس کے بعد اورنگ زیب دکن کی لڑائیوں میں اتنے مصروف ہوئے کہ چودہ سال تک دہلی آنا نصیب نہ ہوا، جب وہ واپس آئے تو وزیر اعظم نے بتایا، کہ ملا احمد جیون ایک بہت بڑے زمیندار بن چکے ہیں، اگر اجازت ہو تو اُن سے لگان وصول کیا جائے، یہ سن کر اورنگ زیب حیران رہ گئے کہ ایک غریب استاد کس طرح زمیندار بن سکتا ہے، انہوں نے استاد کو ایک خط لکھا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی

ملا احمد جیون پہلے کی طرح رمضان کے مہینے میں تشریف لائے، اورنگزیب نے بڑی عزت کے ساتھ انہیں اپنے پاس ٹھرایا، ملا احمد کا لباس بات چیت اور طور طریقے پہلے کی طرح سادہ تھے، اس لیے بادشاہ کو ان سے بڑا زمیندار بننے کے بارے میں پوچھنے کا حوصلہ جٹا نہ پا سکا، ایک دن ملا صاحب خود کہنے لگے: آپ نے جو چونی دے تھی وہ بڑی بابرکت تھی، میں نے اس سے بنولہ خرید کر کپاس کاشت کی خدا نے اس میں اتنی برکت دی کہ چند سالوں میں سینکڑوں سے لاکھوں ہو گئے، اورنگ زیب یہ سن کر خوش ہوئے اور مُسکرانے لگے اور فرمایا: اگر اجازت ہو تو چونّی کی کہانی سناؤں، ملا صاحب نے کہا ضرور سنائیں۔

اورنگ زیب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ چاندنی چوک کے سیٹھ ''اتم چند'' کو فلاں تاریخ کے کھاتے کے ساتھ پیش کرو۔ سیٹھ اتم چند ایک معمولی بنیا تھا۔ اسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا، اورنگ زیب نے نرمی سے کہا: آگے آجاؤ اور بغیر کسی گھبراہٹ کے کھاتہ کھول کے خرچ کی

تفصیل بیان کرو! سیٹھ اتم چند نے اپنا کھاتہ کھولا اور تاریخ اور خرچ کی تفصیل سنانے لگا، ملا احمد جیون اور اورنگ زیب خاموشی سے سنتے رہے، ایک جگہ آ کے سیٹھ رُک گیا، یہاں خرچ کے طور پر ایک چونی درج تھی؛ لیکن اس کے سامنے لینے والے کا نام نہیں تھا، اورنگ زیب نے نرمی سے پوچھا: ہاں بتاؤ یہ چونی کہاں گئی؟ اتم چند نے کھاتہ بند کیا اور کہنے لگا: اگر اجازت ہو تو دردبھری داستان عرض کروں؟ بادشاہ نے کہا: اجازت ہے۔ اس نے کہا: اے بادشاہِ وقت! ایک رات موسلا دھار بارش ہوئی میرا مکان ٹپکنے لگا، مکان نیا نیا بنا تھا اور تمام کھاتے کی تفصیل بھی اسی مکان میں تھی، میں نے بڑی کوشش کی، لیکن چھت ٹپکتا رہا، میں نے باہر جھانکا تو ایک آدمی لالٹین کے نیچے کھڑا نظر آیا، میں نے مزدور خیال کرتے ہوئے پوچھا، اے بھائی مزدوری کرو گے؟ وہ بولا کیوں نہیں، وہ آدمی کام پر لگ گیا، اس نے تقریباً تین چار گھنٹے کام کیا، جب مکان ٹپکنا بند ہو گیا تو اس نے اندر آ کر تمام سامان درست کیا، اتنے میں صبح کی اذان شروع ہو گئی، وہ کہنے لگا: سیٹھ صاحب! آپ کا کام مکمل ہو گیا مجھے اجازت دیجیے، میں نے اسے مزدوری دینے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک چونی نکلی، میں نے اس سے کہا: اے بھائی! ابھی میرے پاس یہی چونّی ہے یہ لے، اور صبح دکان پر آنا تمہیں مزدوری مل جائے گی، وہ کہنے لگا یہی چونّی کافی ہے میں پھر حاضر نہیں ہو سکتا، میں نے اور میری بیوی نے اس کی بہت منتیں کیں؛ لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا دیتے ہو تو یہ چونّی دے دو! ورنہ رہنے دو، میں نے مجبور ہو کر چونّی دے دی اور وہ لے کر چلا گیا اور اس کے بعد سے آج تک وہ نہ مل سکا، آج اس بات کو پندرہ برس بیت گئے، میرے دل نے مجھے بہت ملامت کی کہ اسے روپیہ نہ سہی، اٹھنی دے دیتا۔ اس کے بعد اتم چند نے بادشاہ سے اجازت چاہی اور چلا گیا۔

بادشاہ نے ملا صاحب سے کہا: یہ وہی چونی ہے؛ کیونکہ میں اس رات بھیس بدل کر گیا تھا تا کہ رعایا کا حال معلوم کر سکوں، سو وہاں میں نے مزدور کے طور پر کام کیا، ملا صاحب خوش ہو کر کہنے لگے: مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ چونی میرے ہونہار شاگرد نے اپنی محنت سے کمائی ہو گی۔

اورنگ زیب نے کہا: ہاں واقعی؛ اصل بات یہ ہے کہ میں نے شاہی خزانہ سے اپنے لیے کبھی ایک پائی بھی نہیں لی، ہفتے میں دو دن ٹوپیاں بناتا ہوں، دو دن مزدوری کرتا ہوں۔، میں خوش ہوں کہ میری وجہ سے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی، یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے!

بحوالہ تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات

صحت سب سے بڑی نعمت:

تلبینہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ: جبرئیلؑ میں تھک جاتا ہوں، حضرت جبرئیلؑ نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ تلبینہ استعمال کریں۔

تلبینہ دودھ، جو (بارلے) اور کھجور کی کھیر ہے۔ جو اپنے اندر بیش بہا خصوصیات لیے ہوئے ہے۔ یہ ایک مکمل غذا ہے جو ناشتے میں کھائی جاسکتی ہے۔ اس کا مستقل استعمال حیرت انگیز فوائد دیتا ہے۔

تلبینہ کے فوائد:

خون کی کمی دور ہوتی ہے:

- ایک سے ڈیڑھ ماہ میں ہیموگلوبن کو جسم کی ضرورت کے مطابق بڑھاتا ہے۔
- وزن میں اضافہ ہوتا ہے:
- روزانہ استعمال سے جسم کی کمزوری دور کر کے وزن میں اضافہ کرتا ہے۔
- کمزور لوگوں کے لئے تلبینہ بہت مفید ہے۔

ذہنی کمزوری:

- پڑھنے والے بچوں کیلئے تلبینہ بہترین ہے، جسم کو طاقتور بنانے کے ساتھ ذہن کو بھی تیز کرتا ہے۔

جو بچے اپنا سبق یاد کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، تلبینہ کے استعمال سے ان کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔

بیماروں کیلئے:

بیمار لوگوں کیلئے جو بالکل بستر سے اٹھ بھی نہ سکتے ہوں، تلبینہ بہترین ہے، یہ غذا کمزوری کو دور کر کے چلنے پھرنے کے قابل بناتی ہے۔

بوڑھے لوگوں کیلئے:

- بوڑھے لوگوں کیلئے تلبینہ بہترین ہے۔ جو لوگ کمزوری کی وجہ سے اٹھ بیٹھ نہیں پاتے ان لوگوں کو کھانا کھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے تلبینہ کی کھیر نہایت مفید ہے۔
- تلبینہ کی کھیر صبح کے ناشتے کے ساتھ لیں۔ یہ نا صرف فائدہ مند ہے بلکہ خوش ذائقہ بھی ہوتی ہے۔

تلبینہ بنانے کی ترکیب:

- دودھ ۲ کلو
- جو (چھلا ہوا) 200 گرام
- کھجور 15 سے 20 رات بھر کیلئے پانی میں بھگو کر رکھیں
- یا شہد آدھا کپ یا حسب ذائقہ

دودھ کو ایک جوش دے کر جو شامل کرلیں، ہلکی آنچ پر 25 / منٹ تک پکائیں اور چمچہ چلاتے رہیں، جو گل کر دودھ میں مل جائے تو کھجور مسل کر شامل کرلیں، میٹھا کم لگے تو تھوڑا شہد ملالیں، کھیر کی طرح بن جائے گی، چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں، اوپر سے بادام، پستے کاٹ کر چھڑک دیں نیز کھجور کی جگہ شہد بھی ملا سکتے ہیں۔

نوٹ: اگر جو کا آٹا نہ ملے تو جو کا دیسی دلیہ اتنی ہی مقدار میں لیں' ڈبے والا نہ ہو دیسی دلیہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو حکم ہوتا کہ اس کیلئے تلبینہ تیار کیا جائے۔ پھر فرماتے تھے کہ تلبینہ بیمار کے دل سے غم کو اُتار دیتا ہے اور اس کی کمزوری کو یوں اتار دیتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے کو پانی سے دھو کر اس سے غلاظت اُتار دیتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

اسی مسئلے پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں اسی واقعہ میں اضافہ یہ ہوا کہ جب بیمار کیلئے تلبینہ پکایا جاتا تھا تو تلبینہ کی ہنڈیا اس وقت تک چولہے پر چڑھی رہتی تھی جب تک وہ یا تو تندرست ہوجاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیم گرم تلبینہ مریض کو مسلسل اور بار بار دینا اس کی کمزوری کو دور کرتا ہے اور اس کے جسم میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔'' حضرت عائشہ بیمار کیلئے تلبینہ تیار کرنے کا حکم دیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگرچہ بیمار اس کو ناپسند کرتا ہے لیکن وہ اس کیلئے از حد مفید ہے۔'' (ابن ماجہ)

نوٹ: تلبینہ نا صرف مریضوں کیلئے بلکہ صحت مندوں کیلئے بہت بہترین چیز ہے۔ بچوں بڑوں بوڑھوں اور گھر بھر کے افراد کیلئے غذا' ٹانک بھی' دوا بھی شفاء بھی اور عطا بھی، خاص طور پر دل کے مریض ٹینشن' ذہنی امراض' دماغی امراض' معدے' جگر' پٹھے اعصاب عورتوں بچوں اور مردوں کے تمام امراض کیلئے انوکھا ٹانک ہے۔

❍❖❍

عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں!

عادات، اخلاق اور طرز عمل؛ خون اور نسل دونوں کی پہچان کرادیتے ہیں

ایک بادشاہ کے دربار میں ایک اجنبی نوکری کیلئے حاضر ہوا۔ قابلیت پوچھی گئی کہا: سیاسی ہوں، (عربی میں سیاسی، افہام وتفہیم سے مسئلہ حل کرنے والے معاملہ فہم کو کہتے ہیں) بادشاہ کے پاس سیاست دانوں کی بھر مار تھی، چنانچہ اسے خاص ''گھوڑوں کے اصطبل کا انچارج'' بنالیا گیا، چند دن بعد بادشاہ نے اس سے اپنے سب سے مہنگے اور عزیز گھوڑے کے متعلق دریافت کیا، اس نے کہا: ''نسلی نہیں ہے'' بادشاہ کو تعجب ہوا، اس نے جنگل سے سائیس کو بلاکر دریافت کیا، اس نے بتایا گھوڑا نسلی ہے؛ لیکن اس کی پیدائش پر اس کی ماں مرگئی تھی، یہ ایک گائے کا دودھ پی کر اس کے ساتھ پلا ہے۔ مسئول (اس اجنبی شخص کو بلایا گیا، تم کو کیسے پتا چلا اصلی نہیں ہے؟ اس نے کہا: جب یہ گھاس کھاتا ہے تو گائیوں کی طرح سر نیچے کرکے، جبکہ نسلی گھوڑا گھاس منہ میں لیکر سر اٹھالیتا ہے، بادشاہ اس کی فراست سے بہت متاثر ہوا، مسئول کے گھر اناج، گھی، بھنے دنبے اور پرندوں کا اعلی گوشت بطور انعام بھجوایا گیا، اس کے ساتھ ساتھ اسے ملکہ کے محل میں تعینات کردیا، چند دنوں بعد بادشاہ نے مصاحب سے بیگم کے بارے میں رائے مانگی، اس نے کہا: طور واطوار تو ملکہ جیسے ہیں؛ لیکن ''شہزادی'' نہیں ہے۔ بادشاہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، حواس بحال کئے، ساس کو بلا بھیجا، معاملہ اس کے گوش گذار کیا، اس نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے خاوند سے ہماری بیٹی کی پیدائش پر ہی رشتہ مانگ لیا تھا؛ لیکن ہماری بیٹی 6/ ماہ ہی میں فوت ہوگئی تھی، چنانچہ ہم نے تمہاری بادشاہت سے قریبی تعلقات قائم کرنے کیلئے کسی کی بچی کو اپنی بیٹی بنالیا۔

بادشاہ نے مصاحب سے دریافت کیا: تم کو کیسے علم ہوا؟ اس نے کہا: اس کا ''خادموں کے ساتھ سلوک'' جاہلوں سے بدتر ہے۔ بادشاہ اس کی فراست سے خاصا متاثر ہوا، بہت سا اناج، بھیڑ بکریاں بطور انعام دیں، ساتھ ہی اسے اپنے دربار میں متعین کردیا۔

کچھ وقت گزرا مصاحب کو بلاکر اپنے بارے دریافت کیا، مصاحب نے کہا: جان کی امان، بادشاہ نے وعدہ کیا، اس نے کہا: نہ تو تم بادشاہ زادے ہو، نہ تمہارا چلن بادشاہوں والا ہے۔ بادشاہ کو تاؤ آیا، مگر جان کی امان دے چکا تھا، سیدھا والدہ کے محل پہنچا، والدہ نے کہا: یہ سچ ہے، تم ایک چرواہے کے بیٹے ہو، ہماری اولاد نہیں تھی؛ تو تمہیں لے کر پالا۔ بادشاہ نے مصاحب کو بلاکر پوچھا، بتا تجھے کیسے علم ہوا؟ اس نے کہا:

''بادشاہ جب کسی کو انعام واکرام دیتے ہیں تو ہیرے موتی، جواہرات کی شکل میں دیتے ہیں، لیکن آپ بھیڑ، بکریاں، کھانے پینے کی چیزیں عنایت کرتے ہیں، یہ اسلوب بادشاہ زادے کا نہیں کسی چرواہے کے بیٹے کا ہی ہوسکتا ہے۔''

جمعیۃ علماء پٹنہ کے زیر اہتمام جامع مسجد تر پیولیہ پٹنہ میں یوم دعاء کا اہتمام

رپورٹ: اظہار عالم قاسمی، استاذ مکتب سبیل السلام تر پیولیہ، پٹنہ

(مورخہ 22ردسمبر) بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، اس سے دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایمانی رشتہ قائم ہے، امریکی صدر نے جس طرح بیت المقدس کو اسرئیل کے لئے بطور دارالحکومت تسلیم ہونے کا اعلان کیا ہے، اس سے دنیا بھر کے مسلمان اور انسانیت دوست حضرات بے چین ہو گئے ہیں، مورخہ 22ردسمبر کو ملک کی سب سے موقر، فعال، سرگرم اور متحرک جماعت جمعیۃ علماء ہند کے بینر تلے ہندوستان کے گوشے گوشے میں امریکی صدر کے اس ظالمانہ فیصلہ کے خلاف احتجاج اور دعاء کا اہتمام کیا گیا، جمعیۃ علما بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم، بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ اور جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم صاحب قاسمی ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، اور جمعیۃ علماء پٹنہ کے صدر محترم جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے ایماء واشارہ پر جمعیۃ علماء پٹنہ کے زیر اہتمام جامع مسجد تر پیولیہ، پٹنہ میں دعاء کا اہتمام کیا گیا، جمعیۃ علماء پٹنہ کے جنرل سکریٹری جناب مفتی خالد انور پورنوی، جناب حشمت اللہ خان صاحب سکریٹری جامع مسجد تر پیولیہ، جناب افروز احمد صاحب انچارج مکتب، جناب مولانا سہیل اختر مظفر پوری، جامع مسجد تر پیولیہ، پٹنہ کے امام جناب مولانا ذکاء اللہ صاحب، مولانا اظہار عالم قاسمی محسن، اور کثیر تعداد میں عوام وخواص شریک ہوئے۔

نماز جمعہ سے قبل مسجد اقصی، اس کی اہمیت اور فضیلت پر جمعیۃ علماء پٹنہ کے جنرل سکریٹری مفتی خالد انور پورنوی، ایڈیٹر ماہنامہ ندائے قاسم پٹنہ نے عوام وخواص اور مصلیان حضرات سے اہم خطاب بھی فرمایا، انہوں نے کہا: بیت المقدس ہمارا قبلہ اول ہے، اس کے بعد جب خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے، انہوں نے کہا: صدیوں سے اسرائیل فلسطین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، اور نہتے معصوم بچوں، اور عورتوں پر ظلم کرتا ہے، اور بیت المقدس میں عبادت کرنے سے مسلمانوں کو روکتا رہا ہے، جنرل سکریٹری موصوف نے اسرائیل کے بارے میں کھل کر گفتگو کی، اور اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا، انہوں نے جاری خطاب میں فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے، اور حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی لقب اسرائیل تھا، اسی لئے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، دنیا میں جتنے بھی انبیاء کرام آئے زیادہ تر اسی قوم بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں؛ مگر افسوس ہے کہ انہوں انبیاء کرام کی قدر نہ کی، بلکہ انہیں

قتل تک کیا، اسی لئے قرآن کریم نے انہیں مغضوب علیہم کہا، یعنی ان پر اللہ کا غیض وغضب نازل ہوا۔

انہوں نے اپنے جاری خطاب میں فرمایا: اللہ تعالی نے اپنی عبادت کے لئے دو جگہوں کو قبلہ بنایا ہے ایک تو خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ کو، اور دوسرے بیت المقدس کو، مگر قدرت کا قانون دونوں کے بارے میں الگ الگ ہے، بیت اللہ کی حفاظت اور کفار کا اس پر غالب نہ آنا اللہ نے خود اپنے ذمہ میں لیا ہے، جیسا کہ واقعہ فیل میں وہ واقعہ مذکور ہے، کہ یمن کے نصرانی بادشاہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تو اللہ نے اس کو اور اس کی پوری فوج کو ہلاک وبرباد کر دیا، جبکہ بیت المقدس کے بارے میں یہ قانون نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ الاسراء، آیت نمبر 8 میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے: اگر پھر تم نے نافرمانی کی اور سرکشی کی طرف لوٹے تو پھر ہم اسی طرح سزا و عذاب لوٹائیں گے، چنانچہ بیت المقدس کے بارے میں مکمل تاریخ دیکھیں گے تو قرآن کریم کی یہ آیت بخوبی سمجھ میں آنے لگتی ہے، حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے جنرل سکریٹری موصوف نے فرمایا: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ! حضرت سلیمان علیہ السلام نے سونے، چاندی، ہیرے جواہرات سے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی، وہ سونے، چاندی، ہیرے جواہرات کہاں چلے گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی، انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تو اللہ تعالی نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا، اس نے سات سو برس تک بیت المقدس پر حکومت کی، بخت نصر کا لشکر بیت المقدس میں داخل ہوا، عورتوں، بچوں اور مردوں کو قتل کیا، اور بنی اسرائیل کو غلام بھی بنایا، بیت المقدس کے تمام اموال، سونے، چاندی، ہیرے جواہرات ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر اپنے ملک بابل لے گیا، بنی اسرائیل نے اللہ سے دعائیں کیں، اور توبہ کیا تو اللہ تعالی نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کیلئے کھڑا کیا، جس نے بابل کو فتح کیا اور بقیہ سونے چاندی، ہیرے جواہرات واپس بیت المقدس لے کر آگیا، مگر پھر بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور حکم عدولی کیا، تو اللہ نے شاہ روم کو ان پر مسلط کیا، ان سے جنگ کی، انہیں قتل کیا، اور بیت المقدس کے تمام اموال سونے، چاندی، ہیرے جواہرات پر مشتمل ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر اپنا ملک لے گیا اور کنیسۃ الذہب میں رکھ دیا، اور وہ اموال ابھی تک وہیں ہے، یہاں تک کہ حضرت مہدی علیہ السلام ان کو ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے۔

نماز جمعہ کے بعد بیت المقدس کی بازیابی اور امریکی صدر کے ظالمانہ فیصلہ کے خلاف اجتماعی کا دعاء کا اہتمام ہوا، اللہ تبارک وتعالی بیت المقدس کی حفاظت فرمائے۔ آمین

شب وروز

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کی مجلس عمومی اور مجلس عاملہ کا اجتماع

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار شاخ کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی آج مشاورتی میٹنگ منعقد ہوئی ، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم نے اس کی صدارت فرمائی ، جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم مہمان خصوصی کی حیثیت سے، اور کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے ناظم عمومی جناب حضرت مولانا شوکت علی قاسمی بستوی مشاہد ونگراں کی حیثیت سے شریک ہوئے ، دارالعلوم دیوبند سے مربوط، اور غیر مربوط مدارس اسلامیہ کے نمائندگان کثیر تعداد میں جمع ہوئے ، اجتماعی امتحان کے منصوبہ بندی، صباحی وشبینہ مکاتب کے قیام، طلبہ کی تعلیم وتربیت، تحفظ ختم نبوت، ورد شکیلیت ، مربوط مدارس سے سالانہ فیس کی وصولیابی ، مدارس اسلامیہ کے باہمی ارتباط واستحکام، ضلعی شاخوں کی رپورٹ سالانہ کرنے ودیگر اہم ایجنڈوں پر اہم فیصلے لئے گئے ، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کی مجلس عاملہ، اور مجلس عمومی نے یہ فیصلہ لیا کہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کے زیر اہتمام اجتماعی امتحان منعقد کرائے جائیں گے، اور اس کیلئے 15 رکنی امتحان بورڈ بھی بنایا گیا، یہ بورڈ ریاست بہار میں موجود دارالعلوم دیوبند سے مربوط تمام مدارس کے مابین مشترکہ نظام امتحان پر غور وفکر کرے گی ، اور ایک لائحہ عمل تیار کریگی ، صباحی وشبینہ مکاتب کے قیام پر غور وفکر کرتے ہوئے مدارس کے نمائندہ اجتماع نے فیصلہ لیا کہ دینی اور سماجی طور سے پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کئے جائیں گے ، ریاست بہار کے تمام دینی اور تعلیمی اداروں سے درخواست بھی کی وہ اس جانب توجہ دیں اور اپنے بجٹ کا دس فیصدی مکاتب کے قیام اور ان کے مؤثر طریقے پر چلانے کیلئے مختص کریں، طلبہ کی تعلیم وتربیت پر بھی تجویز پاس ہوئی ، اور نمائندہ اجلاس نے فیصلہ لیا کہ طلبہ کی تعلیم وتربیت اور استعداد سازی پر بھر پور توجہ دی جائے ، اس کیلئے شعبہ تدریب المعلمین کے قیام کا بھی فیصلہ لیا گیا، تحفظ ختم نبوت اور نیا فتنہ رد شکیلیت پر کھل کر گفتگو ہوئی اور مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اور ذمہ داران سے گذارش کی کہ مہینہ میں کم از کم ایک دن درس میں اور اپنے اپنے اسباق میں طلبہ کو رد قادنیت کے مضامین سمجھائیں، گاؤں، دیہاتوں میں جا جا کر لوگوں کو ان دونوں فتنوں سے باخبر کرائیں، مدارس اسلامیہ کے مابین

باہمی ارتباط واستحکام کو بہت ہی مفید اور ضروری خیال کرتے ہوئے تمام مدارس اسلامیہ سے پر زور اپیل کی گئی کہ اس جانب توجہ دیں، سالانہ ممبری فیس ایک ہزار روپئے طے کی گئی، جبکہ تمام ضلعی شاخوں کو سالانہ رپورٹ ارسال کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی، کثیر تعداد میں موجود ارباب مدارس نے تجاویز کی تائید کی اور اسے زمینی سطح پر نافذ کرنے کیلئے ہر طرح کی یقین دلائی۔

محمد اعمش جہاں آبادی نے قرآن کریم کی تلاوت کی، محمد تنظیم عالم کٹیہاری نے نعت نبی پیش کیا، اس موقع پر جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب جنرل سکریٹری رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار وصدر المدرسین جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ نے سکریٹری رپورٹ پیش کیا اور سابقہ کارروائی کی خواندگی کی، جس کی توثیق ارباب مدارس نے فرمائی، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے خطبہ صدارت پیش کیا، اور مدارس اسلامیہ کے حوالہ سے اہم باتیں بیان فرمائیں، جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم صاحب نے ختم نبوت، اور فتنہ شکیلیت کے حوالہ سے اہم باتیں بیان فرمائیں، پروفیسر مولانا شکیل احمد قاسمی صاحب نے نصاب تعلیم، اور مدارس کے نظام تعلیم پر مختصر اور عمدہ خطاب فرمایا، مشاہد ونگراں کی حیثیت سے تشریف لائے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے سینئر استاذ اور کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے ناظم عمومی جناب مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی نے اہم اور جامع خطاب بھی فرمایا، انہوں نے رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی آج کی مشاورتی نشست کی افادیت پر بھی گفتگو فرمائی۔

جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے کامیاب میٹنگ کے انعقاد کیلئے حوصلہ افزائی کی، انہوں نے کہا: ملک میں جو حالات ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ مدارس کے تحفظ کا ہے، اور مدارس اسلامیہ جو دین وایمان کا سرمایہ ہیں، ملک وقوم کی جو سب سے بڑی ضرورت ہیں، انہیں ہی نشانہ بنایا جارہا ہے، اسے بند کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں، انہوں نے ارباب مدارس کو توجہ دلائی کہ اصول اور طریقہ طے کیجئے، آمد وصرف، اور حساب وکتاب میں شفافیت لائیے، اساتذہ اور طلبہ کے حقوق کی تعیین ہو، اور اس کو مکمل کرنے کی کوشش کی جائے، جو بھی مدرسے قائم ہوں، سرکاری طور پر رجسٹرڈ کرائے جائیں، تعلیم وتربیت پر انہوں نے کھل کر گفتگو کی اور بہت ہی مفید اور اہم باتیں بیان فرمائیں، باہمی ارتباط واستحکام اور اتحاد واتفاق پر زور دیتے ہوئے رابطہ مدارس کو مضبوط سے مضبوط بنانے کی پر زور اپیل کی۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث جناب حضرت مولانا

قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نے جامع خطاب فرمایا، انہوں نے کہا: یہ امت امتِ محمد یہ ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ دیگر امتوں کی طرح اس کا کوئی ماننے والا نہ رہے، یہ امت محفوظ ہے، جو ٹوٹ نہیں سکتی ہے، حدیث کا حوالہ دے کر انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا ہے وہ امت کیسے مٹ سکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں، درمیان میں مہدی ہیں، اور اخیر میں عیسیٰ بن مریم، مدارس اسلامیہ کے حوالہ سے انہوں نے کہا: یہ مدارس کوئی کاروبار نہیں ہیں، یہ ایک نظام ہے، مسلمان مسلمان باقی رہے؛ تمام مدارس کا، اور ہم سب کا یہی ایک ہدف ہے، انہوں نے مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا: آپ تمام مدرسے والے 24/ گھنٹے محنت کرتے ہیں، آپ تمام حضرات کی محنتیں قابل قدر ہیں، جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم نے تعلیم وتربیت پر توجہ دلاتے ہوئے کہا: یہ امت باقی رہے، اس کی بھی تیاری کرنی ہے۔ دیگر ارباب مدارس نے تاثرات بھی بیان فرمایا، خالد انور پورنوینے نظامت کا فریضہ انجام دیا، صدر محترم جناب مولانا منصور پوری کی دعاء پر پروگرام کا اختتام ہوا، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے اساتذہ نے میٹنگ کی کامیابی میں اہم رول ادا کیا۔

مسجد محلّہ سبل پور، پٹنہ میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد

(مورخہ۹ر دسمبر) محلّہ سبل پور پٹنہ کی مسجد میں جمعیۃ علماء بہار اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کی مشترکہ کوشش سے جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمائی، جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، دارالعلوم دیوبند کے موقر استاذ جناب حضرت مولانا شوکت علی قاسمی بستوی، پروفیسر، مولانا شکیل احمد قاسمی، جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا مرغوب الرحمٰن، مولانا محمد سالم، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے اساتذہ کے علاوہ محلّہ سبل پور، فتوحہ اور اطراف وجوانب کے کثیر تعداد میں بوڑھے بزرگ اور نوجوان شریک ہوئے، محمد اعمش جہاں آبادی کی قرآن کریم کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا، محمد تنظیم عالم کٹیہاری نے مسحور کن آواز میں نعت نبی گنگنایا، جناب مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب قاسمی نے جلسہ سیرت النبی کے اغراض ومقاصد کو بیان کرتے ہوئے افتتاحی خطاب فرمایا، ماہنامہ ندائے قاسم پٹنہ کے ایڈیٹر جناب مولانا مفتی خالد انور پورنوی نے نظامت کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی اسوہ حسنہ پر اہم خطاب فرمایا، جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب

مولانا محمد ناظم صاحب نے اللہ کے ﷺ کی سیرت مقدسہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ سے محنت ایمان کی نشانی ہے، اور اللہ کی رسول سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی سنتوں پر عمل کرے، حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول کہتے ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے رسول سے محبت ہے وہ میری اطاعت کرے، صرف محبت اور عشق رسول کے دعوی کر لینے سے کوئی عاشق رسول نہیں ہوسکتا ہے، اس کیلئے اپنی عملی زندگی اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق ڈھالنی ہوگی، پروفیسر شکیل احمد قاسمی نے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت اور موجودہ وقت میں انسانوں کی بنیادی ضرورت پر اہم خطاب فرمایا، انہوں نے کہا: دنیا میں آج جو کچھ بھی اجالا ہے وہ انہیں کے فرمان کی وجہ سے ہے، بڑوں کا اکرام، بچوں پر شفقت، عورتوں کی عزت اس کیلئے آج قانون بن رہے ہیں اور آج ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے یہ باتیں بیان فرمادی ہیں، ایشیاء کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے سینئر استاذ جناب حضرت مولانا شوکت علی قاسمی، بستوی، نے اپنے عمدہ اور جامع خطاب میں فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے، آپ کا دین قیامت تک باقی رہے گا، آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کو جو قانون اور جو شریعت دی گئی وہ ایک وقت تک کیلئے تھا، لیکن آپ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ قیامت تک کیلئے ہے، اسی لئے اللہ کی طرف سے اعلان ہوگیا، اور قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی، آج دین مکمل ہوگیا، تم پر نعمت مکمل ہوگئی، مولانا بستوی نے قرآن کریم کے ساتھ، حدیث رسول ﷺ کی ضرورت پر بھی تفصیلی طور پر بیان فرمایا، انہوں نے اپنے خطاب میں اللہ کا خوف اور ڈر پیدا کرنے کی بھی تلقین کی، صحابہ کرام کی ایثار وقربانی پر گفتگو کی، اللہ کے رسول سے انہیں کتنی عقیدت تھی اور ان کے فو مودات پر کس طرح مرمٹتے تھے تفصیلی طور بیان فرمایا۔

جلسہ سیرت النبی ﷺ کی صدارت کررہے جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے جامع انداز میں صدارتی خطاب فرمایا، انہوں نے کہا: نبیوں کا مقام اس لئے بلند ہے چونکہ ان کا رشتہ براہ راست اللہ سے قائم ہے، اس لئے نسبت اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشس کرنی چاہئے، قرآن کریم کے حوالہ سے انہوں نے کہا: قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، اللہ کی ذات سے نکل کر آیا ہے، دنیا کو، زمین وآسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے؛ لیکن قرآن کریم کو اللہ نے بنایا نہیں، پیدا نہیں کیا، گویا قرآن کریم کا رشتہ اللہ سے براہ راست ہے، ہمیں قرآن کریم کی اہمیت کو اللہ سمجھنے کی توفیق دے، جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب، منصور پوری نے سیرت

النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا،ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کواللہ نے اس دنیا میں بھیجا،ان میں سے تین سواور کچھ ہی رسول ہیں ،بقیہ انبیاء کرام ہیں،رسول وہ ہوتے ہیں جنہیں مستقل شریعت اور مستقل کتاب ملی ہو،محمد مصطفیٰ ﷺ بھی رسول ہیں ، بلکہ افضل رسل ہیں،اور خاتم الانبیاء بھی ہیں،اب آپ ﷺ ہی کی پیروی کرنا ضروری ہے،آپ ﷺ کوچھوڑ دیں،آپ کو نہ مانیں،آپ کی شریعت کو نہ مانیں یہ نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا ہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالزم پیغمبر اور رسول کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو بھی میری ہی شریعت کی پیروی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا،اپنے جاری خطاب میں فرمایا: ہم سب جس نبی اور جس شریعت کے ماننے والے ہیں وہ مکمل ہے اور وہی محفوظ بھی ہے،ہم سب خوش نصیب ہیں،اللہ نے ہمیں اس نبی کی امت میں پیدا فرمایا۔آپ ہی کی رقت آمیز دعاء پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

اسلامیہ ٹرسٹ، پٹنہ کی جانب سے جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد

(مورخہ ۱۱رنومبر) جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی اور جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں اسلامیہ ٹرسٹ ،کنکڑ باغ، پٹنہ کی جانب سے جامع مسجد کنکڑ باغ ، پٹنہ میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد عمل میں آیا،جس میں صدر محترم کے علاوہ،مہمان خصوصی کی حیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم ،جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم ،مولانا مرغوب الرحمٰن، دیگر اساتذہ جامعہ مدنیہ مدنیہ سبل پور پٹنہ شریک ہوئے،قرآن کریم کی اہمیت وفضیلت کے عنوان پر جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم نے صدارتی خطاب فرمایا، مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث جناب مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نے نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو بیان فرمایا،انہوں نے کہا: ہر حالت میں نبی کریم ﷺ کی سیرت پر عمل کرکے ہی انسان کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔واضح رہے کہ اس موقع پر جامع مسجد کنکڑ باغ میں اسلامیہ ٹرسٹ کے تحت چل رہے مکتب کا دلچسپ پروگرام بھی منعقد ہوا،اور بہترین مظاہرہ کرنے والے طلبہ کوانعامات سے نوازا گیا، جامع مسجد کنکڑ باغ کے امام جناب مولانا نثار احمد قاسمی صاحب کے ضعف وکمزوری کی وجہ سے استعفی دینے پر الوداعیہ پرگرام کا انعقاد ہوا،شال، رومال اور رقوم بھی ان کی بہتر خدمات کے اعزاز میں انہیں پیش کیا گیا۔جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

مولانا محمد عاصمؒ کا انتقال؛ ہنستے، ہنساتے آج وہ ہمیں رلا کر چلے گئے!

جناب مولانا محمد عاصم صاحب مرحوم؛ جناب ثابت حسین صاحب مرحوم ابن حافظ محفوظ حسینؒ کوروڈیہہ، بھاگلپور کے گھر 15/اکتوبر 1965ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولوی فضل الرحمٰن صاحبؒ سے حاصل کی، پھر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ بھاگلپور میں داخل ہوئے اور شرح وقایہ، کنزالدقائق، اصول الشاشی، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی وغیرہ تک تعلیم حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا عبدالخالق صاحب سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، 1978ء میں فارغ التحصیل ہوکر وطن واپس لوٹے۔ 198ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ بھاگلپور میں 250/روپئے ماہوار پر استاذ مقرر ہوئے، فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں آپ کے درس میں آئیں، درس وتدریس کے علاوہ مدرسہ کی تعمیر وترقی اور مالی فراہمی میں نہایت فعال اور سرگرم رہے، 2005ء میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ نے اپنے آبائی گاؤں کوروڈیہہ، بھاگلپور میں ایک ادارہ ''معہد ارشد'' قائم کیا اور اس کے نگراں جناب مولانا محمد عاصم مرحوم کو بنایا گیا، نہایت ہی خوش اسلوبی سے انہوں نے معہد ارشد کی خدمت کی اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، 2005ء میں ہی حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔

جناب ثابت حسین مرحوم کے چار صاحبزادے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار، جناب مولانا محمد عاصم صاحب مرحوم، جناب مولانا محمد سالم صاحب، جناب مولانا محمد ناظم صاحب ہیں، علی الترتیب جناب مولانا محمد عاصم صاحبؒ دوسرے نمبر پر تھے، نہایت ہی نیک، صالح فکر کے حامل، اور ملنساری کے جذبہ سے سرشار تھے، وہ مجلس میں بیٹھتے تو ہنستے ہنساتے اور مجلس کو بہت ہی بارونق بنادیتے تھے۔

مورخہ 17/دسمبر 2017ء کو تقریباً 7/بجے صبح وہ ہم سب کو رُلا کر اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مورخہ 18/دسمبر بعد نماز ظہر مرحوم کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، بانی جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آبائی قبرستان کوروڈیہہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم کے چار صاحبزادگان ہیں، مولانا محمد عامر الدین قاسمی، حافظ یاسر، حافظ کاشف، محمد نادر، مولانا محمد عامر الدین صاحب قاسمی؛ حافظ وقاری ہیں اور دو سال قبل دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرچکے ہیں، بقیہ تینوں صاحبزادگان قرآن کریم حفظ کر رہے ہیں، یقیناً یہ چاروں اولاد مرحوم کیلئے صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کی عذاب قبر سے حفاظت فرمائے، کروٹ، کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے۔ آمین

ان کی انتقال کی خبر سے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، معہد ارشد اطہر نگر کوروڈیہہ، بھاگلپور سوگوار ہے، ان دونوں اداروں میں دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا، اس کے علاوہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، مدرسہ حسینیہ حسین آباد کڈورانچی، جامعہ مخزن العلوم دلدارنگر غازی پور، یوپی اور دیگر اداروں میں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی گئی، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ نے عوام وخواص سے گذارش کی کہ مرحوم کیلئے دعاء فرمائیں، اللہ انہیں غریق رحمت کرے، آمین

وفیات: اہلیہ محترمہ جناب شمیم الزماں صاحب، محرم پور باقر گنج پٹنہ، جناب جاوید صاحب کوروڈیہہ بھاگلپور، والدہ محترمہ جناب راغب احسن صاحب ایڈوکیٹ پٹنہ ہائی کورٹ۔

اسفار جامعہ: مورخہ ۱۵/دسمبر، بروز جمعہ حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، اصلاحی ودعوتی سفر کی غرض سے بھوپال کے تشریف لے گئے، نماز جمعہ سے قبل مسجد بیت المکرّم ریلوے اسٹیشن روڈ سبزی منڈی بھوپال میں اہم خطاب فرمایا، دیگر اہم مقامات میں بھی قرآن وحدیث کا آپ نے درس دیا، مسجد کے امام جناب مفتی محمد فیاض صاحب نے مولانا محترم کی ضیافت فرمائی، اور والہانہ استقبال کیا، مگر آپ کے بھائی جناب مولانا محمد عاصم صاحب کے انتقال کی خبر سنتے ہی بھاگلپور تشریف لائے۔

(مورخہ ۱۵/۱۶/دسمبر) جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ایماء واشارہ پر ماہنامہ ندائے قاسم پٹنہ کے ایڈیٹر مفتی خالد انور پورنوی، اور جناب مولانا نورالزماں صاحب استاذ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، اصلاحی ودعوتی سفر کی غرض سے دھنباد کے مختلف مقامات میں تشریف لے گئے، جناب مولانا منور عالم صاحب قاسمی دھنبادی نے ضیافت کے اہتمام کے ساتھ رہبری کا فریضہ انجام دیا، جامعۃ الاصلاح کبیر ڈیہہ دھنباد کی مسجد ''مسجد تقوی'' میں، نماز جمعہ سے قبل، استقامت فی الدین کے عنوان پر مفتی خالد انور پورنوی کا خطاب ہوا، مولانا نورالزماں صاحب دریاپوری نے محلّہ کبیر ڈیہہ کی جامع مسجد میں انفاق فی سبیل اللہ کے عنوان پر نماز جمعہ سے قبل خطاب فرمایا، عشاء کی نماز کے بعد مسجد کرمی ٹانڈ دھنباد اور دیگر اہم مقامات میں خطاب فرمایا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ایماء پر مفتی خالد انور پورنوی اور مولانا نورالزماں صاحب مدرسہ حسینیہ حسین آباد کڈرورانچی بھی تشریف لے گئے، اور امتحان ششماہی کے طلبہ کا تعلیمی جائزہ بھی لیا، جناب حضرت مولانا احمد صاحب ناظم تعلیمات مدرسہ حسینیہ، جناب حضرت مولانا محمد صاحب ناظم مدرسہ حسینیہ، جناب مولانا، قاری اسجد صاحب ودیگر اساتذہ سے ملاقات بھی کی، اور اہم امور پر تبادلہ خیالات کئے، مغرب کی نماز کے بعد مفتی خالد انور پورنوی اور جناب مولانا نورالزماں صاحب نے اساتذہ اور طلبہ کے بیچ خطاب بھی فرمایا۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا!

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے بہت سے شعبے ہیں ان میں پہلا کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ اور آخری راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ و ناپسندیدہ چیزوں کا ہٹانا کوئی عام سا صدقہ نہیں بلکہ یہ اتنا بڑا عمل خیر ہے جو انسان کی مغفرت کے لیے کافی بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کوئی اچھا کام نہیں کیا سوائے اس کے کہ کانٹوں بھری ٹہنی کو ہٹایا جو راستے پر تھی، یا درخت پر تو اس عمل پر اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔

ایسا شخص جس کا اکاؤنٹ نیکی کی کرنسی سے یکسر خالی تھا جب اس نے کانٹوں بھری ٹہنی کو راستہ سے اس خیال سے ہٹا دیا کہ گذرنے والے کو تکلیف نہ ہو تو اس کے اس عمل سے اللہ اتنا خوش ہوا کہ اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ اس طرح راستہ میں پڑی ہوئی کسی بھی ایسی چیز کو ہٹانا جس سے وہاں گذرنے والے کو دشواری ہوسکتی ہو یہ اللہ کے نزدیک اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ ایسے شخص کے لیے جنت کی ضمانت بن جاتا ہے، لہٰذا اس کے برعکس کوئی بھی عمل جس کی وجہ سے راستہ سے گذرنا مشکل ہو جائے، ظاہر ہے اسلام اسے کس طرح گوارہ کرسکتا ہے؛ چنانچہ گھر یا دکان کے سامنے راستہ پر بیٹھنا، ٹھہرنا یا خوش گپوں میں وقت گذارنا جس میں چبوترہ پارٹی بھی شامل ہے، اسلام کی نظر میں یہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے؛ اس لیے کہ راستہ پر ٹھہرنے سے وہاں سے گذرنے والوں کو نہ صرف راستہ کی تنگ دامنی کا شکوہ ہوتا ہے؛ بلکہ یہ بعض کے لیے الجھن کا باعث بھی ہوتا ہے، خاص طور پر باحیا خواتین کے لیے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ پر ایسی کسی بھی بزم آرائی سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ بحالت قیام ہو یا یا قعود، لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہیے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے یہ ناگزیر ہو تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے راہگیروں کو کوئی دشواری نہ ہو۔

راستہ پر بیٹھنے سے رسول اللہ ﷺ نے ایک بار منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو ہماری مجلسیں ہیں جہاں ہم بات چیت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستہ کا حق ادا کرو، صحابہ نے دریافت کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نظر نیچی رکھو، کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ، سلام کا جواب دو، اچھائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔